نجی زندگی کی تاریخ

ڈاکٹر مبارک علی

انتساب

پروفیسر طاہر کامران کے نام

فہرست

پیش لفظ

کیا نجی زندگی کی تاریخ لکھنا ممکن ہے؟ کیونکہ نجی یا پرائیویٹ کا مطلب زندگی کے وہ لمحات یا واقعات ہوتے ہیں جو کہ خالص اپنی ذات یا خاندان کے لئے ہوں' اور جن سے پبلک کا کوئی تعلق نہ ہو- ایک زمانہ تھا کہ جب پرائیویٹ زندگی میں زیادہ فرق نہیں تھا' لیکن تہذیب کی ترقی کے ساتھ ساتھ یہ فرق واضح بھی ہوتا گیا اور اس میں دوری بھی ہوتی چلی گئی- اس لئے آج موجودہ زمانہ میں پرائیویٹ زندگی پبلک زندگی سے بالکل علیحدہ ہے- اور ہر فرد اس پر اصرار کرتا ہے کہ اس کی نجی زندگی اور معاملات میں کوئی دخل اندازی نہ کی جائے- یہ اس کی سلطنت ہے کہ جس میں اس کی حکمرانی ہے-

نجی زندگی کی تاریخ کا موضوع جہاں ایک طرف دلچسپ ہے' وہاں یہ مشکل بھی ہے' کیونکہ نجی اور پبلک زندگیوں کے درمیان حد فاصل وقت کے ساتھ برابر بدلتی رہی ہے' اسی لئے ہر عہد کے رویے بھی اس کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں- اس لئے اس موضوع پر لکھنے کے لئے نہ صرف تحریری' تاریخی مواد ضروری ہے' بلکہ اس کے ساتھ مصوری' مجسمہ سازی کے نمونے' تصاویر' ادب' مذہب کے بارے میں معلومات بھی اہم ہیں' کیونکہ معاشرے کے بارے میں جب تک مواد کو ہر طرف سے حاصل نہ کیا جائے گا' اس وقت تک مکمل تاریخ لکھنا ممکن نہیں-

چونکہ تاریخ کا عمل ہر تہذیب اور معاشرے میں مختلف رہا ہے' اس لئے نجی زندگی کے بارے میں بھی کوئی نظریہ آفاقی نہیں ہے- یہ فرق واضح طور پر مشرق اور مغرب کے رویوں

میں نظر آتا ہے۔

ان مشکلات کے باوجود فرانس کے مورخین کہ جن کا تعلق آنلز اسکول سے ہے' انہوں نے اس موضوع پر تحقیق شروع کی اور پانچ جلدوں میں مغربی معاشرے کی نجی زندگی سے متعلق تاریخ تحریر کی' اس کی ابتداء رومی اور بازنطینی ادوار سے ہوتی ہے۔ اور پانچویں جلد جدید زمانہ پر آکر ختم ہوتی ہے۔ کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مصوری' مجسمہ سازی اور تصاویر کے ذریعہ نجی زندگی کے پہلوؤں کو ابھارا گیا ہے۔

کتاب کی تصنیف فرانسیسی زبان میں ہوئی اور اس کا انگریزی ترجمہ ہارورڈ یونیورسٹی پریس نے ۱۹۸۷ء میں چھاپا۔ اس کتاب کی اہمیت اور خصوصیت کے پیش نظر یہ مناسب سمجھا گیا کہ اس کے موضوعات کو اردو میں لکھا جائے' اس کا مقصد یہ نہیں کہ اس تاریخ کا خلاصہ بیان کیا جائے' بلکہ مقصد یہ ہے کہ تاریخ کے نئے اسلوب سے اردو کے قارئین کو روشناس کرایا جائے کہ جس سے وہ ناواقف ہیں۔ یہ تاریخ نویسی کا ایک ماڈل ہے کہ جس کی بنیاد پر ہم اپنی تاریخ کو سمجھ بھی سکتے ہیں۔ اور لکھ بھی سکتے ہیں۔

موجودہ زمانہ میں تاریخ نویسی میں انقلابی تبدیلیاں آگئی ہیں' اس لئے ضروری ہے کہ علم کی ان تبدیلیوں سے نہ صرف آگاہ ہوا جائے' بلکہ ان کو پھیلایا بھی جائے۔

مبارک علی

اگست ۱۹۹۵ء' لاہور

تعارف

اگرچہ بنیادی طور پر اس کتاب کا موضوع یورپ میں نجی زندگی کی تاریخ ہے' مگر اس تاریخ کے مطالعہ سے معاشرے کے ارتقاء' اقدار و روایات کی تبدیلیوں اور اداروں کے تغیرات کے بارے میں پتہ چلتا ہے۔ ایک اہم پہلو جو ہمارے سامنے آتا ہے' وہ تبدیلی کا ہے کہ کس طرح سے وقت کے ساتھ سیاسی' سماجی اور معاشی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ اس تبدیلی کے دھارے میں کوئی چیز ابدی' آفاقی اور ہمیشہ رہنے والی نہیں ہوتی۔ یہ تبدیلی ہر شعبہ' ہر پہلو اور ہر سطح پر آتی ہے۔ سائنس اور ٹکنالوجی کی ایجادات معاشرے کی عادات' طرز رہن سہن اور نقل و حرکت کو بدل کر رکھ دیتی ہیں۔ سیاسی واقعات' معاشرے کی سوچ پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ معاشی ذرائع پیداوار لوگوں کے رویوں کو بدل کر رکھ دیتے ہیں۔

تبدیلی کا یہ عمل بڑا اذیت ناک ہوتا ہے' کیونکہ ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ میں داخل ہونا' ایک طریقہ زندگی کو چھوڑ کر دوسرا اختیار کرنا' اور پرانی اقدار کو ختم کرکے ان کی جگہ نئی اقدار کو تشکیل دینا' اس عمل سے معاشرہ ایک ذہنی اذیت سے گذرتا ہے' مگر اس عمل سے لوگوں کی زندگی میں تبدیلی آجاتی ہے۔ اس کی مثال اس طرح سے دی جا سکتی ہے کہ ایک طویل عرصہ تک کپڑا ہاتھ سے بنا جاتا تھا' جس کے نتیجہ میں جولاہوں کی پیشہ ورانہ برادری پیدا ہوئی اور انہوں نے نسل در نسل اپنے پیشہ میں مہارت حاصل کی۔ اس مہارت نے ان میں پیشہ ورانہ فخر کو پیدا کیا اور ان میں اپنے پیشہ سے زبردست جذباتی لگاؤ پیدا ہو گیا۔ جب عہد برطانیہ میں کپڑا بننے کی مشینیں آئیں تو ان کی آمد کے ساتھ ہی جولاہوں کا

طبقہ بے روزگار ہو گیا اور آن واحد میں ان کی پیشہ ورانہ مہارت چھن گئی اور جب وہ روزگار کی تلاش میں نکلے تو ان کی حیثیت جاہل مزدوروں کی ہو کر رہ گئی۔ اس صورت حال سے وہ ذہنی اور نفسیاتی دباؤ کا شکار ہو گئے' کیونکہ اب تک پیشہ ورانہ مہارت کی وجہ سے معاشرے میں ان کی جو عزت تھی' وہ نہیں رہی' اور ساتھ ہی میں ان کی شناخت ان سے چھین لی گئی' کیونکہ اب تک وہ اس حیثیت سے پہچانے جاتے تھے کہ وہ نفیس اور خوب صورت کپڑا بنتے ہیں' مگر اب یہ کام ایک مشین کے سپرد ہو گیا اور وہ لوگوں کے جم غفیر میں گمنام ہو گئے۔

جب کوئی شخص انفرادی طور پر' یا پیشہ ورانہ برادری کی حیثیت سے کوئی چیز تیار کرتا ہے تو اس کا پیداوار سے ذہنی و جذباتی تعلق پیدا ہو جاتا ہے' وہ اس کی تخلیق ہوتی ہے۔ اور اس سے وہ اپنی ذات کو شناخت کرتا ہے' وہ ایک پیمانہ ہوتا ہے کہ جس کے ذریعہ اس کی مہارت اور قابلیت کو جانچا اور پرکھا جاتا ہے' لیکن جب یہی چیز فیکٹریوں میں تیار ہونے لگتی ہے تو اس میں انفرادی شناخت کی جگہ فیکٹری کی شناخت اہم ہو جاتی ہے۔ اور اس صورت میں فرد پیداواری عمل میں روپوش ہو جاتا ہے۔

ٹکنالوجی کی ایجادات کس طرح سے تبدیلی لے کر آتی ہیں' اس کی ایک مثال موجودہ دور میں کاتبوں کے طبقے سے ہے' اب تک کاتبوں کا ایک طبقہ بڑی تعداد میں موجود تھا' اور ان میں سے اکثر وہ تھے کہ جنہیں یہ پیشہ وراثت میں ملا تھا' اور اس طرح انہیں اپنے پیشہ پر ناز تھا' وہ کتابت میں نئی جدتیں کرتے اور اسے زیادہ سے زیادہ خوبصورت بنانے کی کوشش کرتے۔ ان میں جو اچھی کتابت کرتے تھے' انہیں لوگوں کی جانب سے مختلف قسم کے خطابات مل جاتے تھے' جیسے شیریں رقم' اور ریحان رقم وغیرہ' وغیرہ' مگر جب کتابت کا یہ کام کمپیوٹر نے سنبھالا تو اس کی وجہ سے اچانک کاتبوں کا یہ پورا طبقہ بے روزگار ہو گیا' اب تک کتاب پر کاتب کا نام لکھا ہوتا تھا' اب اس کی جگہ کمپیوٹر کی ایجنسی کا نام ہوتا ہے' پہلے کتابت کی وجہ سے ہر کتاب کی انفرادی حیثیت ہوتی تھی' اب اس کی یہ حیثیت ختم ہو گئی' کمپیوٹر کی کمپوزنگ کی وجہ سے کاتب کی پیشہ ورانہ صلاحیت اور اس کے پیشہ کی عزت باقی نہیں رہی۔

جب اس قسم کی تبدیلیاں آتی ہیں تو پیشہ ورانہ طبقوں کے لئے نئے حالات سے سمجھوتہ

کرنا ہمیشہ مشکل ہوتا ہے' اب تک وہ جس کام کے عادی تھے' اور جس میں انہیں مہارت تھی' اسے چھوڑ کر جب وہ کوئی دوسرے کام اختیار کرتے ہیں تو اس میں ماہر ہونے کے لئے انہیں وقت کی ضرورت ہوتی ہے تبدیلی صرف اتنی ہی نہیں ہوتی ہے' بلکہ اس پیشہ سے متعلق جو اور پیشے ہوتے ہیں' وہ بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں :۔ جیسے کاتبوں کے پیشے سے متعلق سیاہی' قلم اور مسطر بنانے والے۔ اب تک کاتب اکثر کام گھر پر کرتے تھے' اس کی وجہ سے ان کا پیشہ ورانہ کام اور گھریلو کام ملے ہوئے تھے' اب انہیں نئے کام کے لئے گھر سے باہر جانا ہوگا اور ملازمت کا وقت پورا کرکے گھر آنا ہوگا' لہٰذا زندگی کے ان معمولات کی تبدیلی سے ان کے گھر والوں سے تعلقات بھی بدلیں گے۔

یہی صورت حال ان کسانوں کی ہے' جو بے روزگاری کی صورت میں گاؤں سے شہر میں آ رہے ہیں۔ ان کا وہ علم جو کھیتی باڑی کے سلسلہ میں ہے' شہر کی فضاؤں میں وہ سب ناکارہ ہو جاتا ہے' اور وہ شہر میں خود کو بے علم اور جاہل سمجھ کر نفسیاتی طور پر اس قدر پس ماندہ ہو جاتے ہیں کہ روزی کے لئے وہ ہر قسم کے کام پر تیار ہو جاتے ہیں' اور کم سے کم تنخواہ پر اپنی محنت فروخت کرنے لگتے ہیں۔ اس صورت حال سے صنعت کار پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہیں اور ان کا بری طرح سے استحصال کیا جاتا ہے۔

ایک مرحلہ پر پیشہ ورانہ مہارت کا سلسلہ بھی ٹوٹ جاتا ہے' مثلاً مغلوں کے عروج کے زمانے میں ان کے دربار میں جو مصور' کاتب' معمار اور کاری گر تھے' انہوں نے شاہی سرپرستی میں اپنے اپنے فنون میں مہارت حاصل کر لی تھی' جب مغل خاندان کا زوال ہوا تو یہ سرپرستی ختم ہو گئی اور اس انتشار کے دور میں ان فن کاروں اور پیشہ وروں نے دوسری ملازمتیں اختیار کر لیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ فن اور مہارت کہ جو نسلاً" در نسلاً" آ رہی تھی اس کا سلسلہ ٹوٹ گیا' یہی وجہ ہے کہ آج اس دور کی چیزیں حیرت انگیز لگتی ہیں۔ مثلاً پتھر کی جالیاں بنانے والے' اب مہارت اور فن کاری سے وہ چیز نہیں بنا سکتے کہ جو ماضی میں بنائی گئی تھی۔ سرپرستی کی اس غیر موجودگی میں موسیقی' مصوری اور فن معماری اپنی تاریخی روایات کھو بیٹھی ہیں' لہٰذا تبدیلی دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک وہ جو سائنس اور ٹکنالوجی کی نئی ایجادات کے بعد آتی ہے اور دوسری وہ جو سرپرستی کے ختم ہونے کے بعد زوال پذیر ہو جاتی ہے۔

سائنس اور ٹکنالوجی کی وجہ سے جو تبدیلی آتی ہے' وہ بھی دو قسم کی ہوتی ہے :۔ جن ملکوں میں ان ایجادات کی تخلیق ہوتی ہے' وہاں یہ عمل آہستہ ہوتا ہے اور اس لئے معاشرے میں لوگ ذہنی طور پر تبدیلی کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ ان ملکوں میں کہ جہاں تیارشدہ ایجادات یا ٹکنالوجی کو در آمد کیا جاتا ہے' وہاں اس کے اثرات اچانک اور فوری ہوتے ہیں' مثلاً کمپیوٹر کا استعمال اچانک ہوا' اس لئے لوگ اس کے نتیجہ میں ہونے والی تبدیلیوں کے لئے ذہنی طور پر تیار نہیں تھے' لہٰذا ان ملکوں میں ٹکنالوجی کے ساتھ ذہنی ترقی نہیں آتی۔ معاشرہ اسی وقت ترقی کرتا ہے کہ جب اس کی ذہنی سطح بھی بلند ہو۔

نجی زندگی اور اس کی تاریخ کے مطالعہ سے ہمارے سامنے تاریخ کا یہ پہلو بھی آتا ہے کہ معاشرے میں تاریخی عمل یکساں اور مساوی نہیں ہوتا' بلکہ تہذیبی و ثقافتی عمل طبقاتی بنیادوں پر تشکیل پاتا ہے۔ طبقہ اعلیٰ کے لوگ کہ جن کے پاس مادی وسائل ہوتے ہیں' وہ نچلے طبقے کے لوگوں سے علیحدہ بنیاد پر اپنے تہذیبی رویئے بناتے ہیں' بعد میں یہ تہذیبی رویے اور آداب وہ معیار اور پیمانہ بن جاتے ہیں کہ جن کو معاشرے کے دوسرے طبقے بھی اپنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سے تاریخ کا یہ نقطہ نظرپیدا ہوتا کہ اعلیٰ تہذیب و ثقافت صرف دولت مند طبقے ہی پیدا کرتے ہیں۔ اس ضمن میں نچلے طبقے کے لوگوں کی محنت و مزدوری اور ان کی پیداواری توانائی کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے کہ جسے حکمران طبقے غصب کرکے دولت اور فرصت حاصل کرتے ہیں۔ اور پھر ان بنیادوں پر تہذیب و تمدن میں اضافے کرتے ہیں۔

ایک اور اہم پہلو جو تاریخ کے مطالعہ سے ہمارے سامنے آتا ہے' وہ یہ کہ روایت کی ابتداء کچھ اور ہوتی ہے' مگر وقت کے ساتھ ساتھ یہ روایت تبدیل ہوتی رہی ہے' یہاں تک کہ ایک وقت وہ آتا ہے کہ جب اس کی ابتداء کو فراموش کر دیا جاتا ہے اور اس کی ارتقائی شکل کو اصلی تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ اس کی مثال کرسمس کا تہوار ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی تاریخ پیدائش کو ابتداء میں مارچ مانا گیا تھا' جب یورپ عیسائی ہوا تو وہ مذہب کی تبدیلی کے باوجود اپنے پرانے تہوار کو جو دسمبر میں منایا جاتا تھا' اسے اسی طرح سے مناتے رہے' لہٰذا چرچ نے یہ فیصلہ کیا کہ دسمبر کے تہوار کو ختم کرنے کے بجائے اسے حضرت عیسیٰؑ کے یوم پیدائش میں بدل دیا جائے' اس طرح یہ تہوار بھی رہے اور اس کی کافرانہ حیثیت ختم ہو کر مذہبی ہو

جائے۔ کرسمس میں درخت اور سینٹا کلاز کو روشناس کرانے والے اسکینڈی نیویا کے ممالک تھے' ٹرکی کھانے کا رواج جب ہوا' جب یہ امریکہ سے یورپ میں آئی۔

یہی صورت حال افراد کے ساتھ پیش آتی ہے کہ ان کے بارے میں نئی نئی کہانیاں تشکیل ہوتی رہتی ہیں۔ اور ان کی انسانی خامیاں اور کمزوریاں چھپتی رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ کامل انسان بن جاتے ہیں۔

معاشرہ ان تبدیلیوں کی عکاسی پوری طرح سے کرتا ہے' مثلاً قرون وسطیٰ کے یورپ میں ڈرامہ ایک مقبول صنف ادب تھا اور وہ ایک اہم سماجی کردار ادا کرتا تھا' جب ڈرامہ اسٹیج ہوتا تھا تو لوگ اسے جمع ہو کر دیکھتے تھے۔ اور اس طرح اس کے عمل میں ہر شخص برابر کا حصہ لیا کرتا تھا۔ اس کی مقبولیت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس وقت تک شرح خواندگی بہت کم تھی۔ اٹھارویں صدی میں جا کر صورت حال بدل گئی اور ڈرامہ کی جگہ ناول مقبول ہو گیا۔ ڈرامہ اور ناول کے فرق کو اس طرح سے بیان کیا جا سکتا ہے کہ یہ معاشرے کی سماجی ہم آہنگی برادرانہ جذبات اور یگانگت سے انفرادیت کی طرف ایک سفر تھا۔ ناول کو فرد تنہائی میں پڑھتا تھا اور اس سے خود ہی لطف اٹھاتا تھا' جب کہ ڈرامہ مل کر دیکھا جاتا تھا۔ اور اس کے اطراف میں سب برابر کے شریک ہوتے تھے۔ ناول کی مقبولیت کی ایک وجہ شرح خواندگی میں اضافہ بھی تھا۔

تاریخ کا مطالعہ سے یہ پہلو بھی سامنے آتا ہے کہ جب معاشرے میں بہت زیادہ رسومات ہوں تو ان سے لوگوں میں باہمی رابطہ بڑھتا ہے اور انہیں یہ موقع ملتا ہے کہ وہ مل جل کر بیٹھیں اور ایک دوسرے کے قریب آئیں' اگرچہ ان رسومات کی قیمت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اور یہ غریب لوگوں کے لئے ایک بوجھ بن جاتی ہیں' مگر ان کے سماجی اثرات لوگوں میں ہم آہنگی پیدا کرتے ہیں۔

ان رسومات کے خلاف دو قسم کے اعتراضات کئے جاتے ہیں: مذہبی طور پر اس لئے برا کہا جاتا ہے' کیونکہ لوگوں کے ملنے جلنے سے اور تفریح و لطف اٹھانے سے ان میں لہو و لعب کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے کچھ مذہبی فرقے رسومات کے خلاف آواز اٹھاتے ہوئے سادگی پر زور دیتے ہیں۔ مذہبی دلیل کے ساتھ ساتھ معاشی حالات بھی لوگوں کو اس بات پر مجبور کرتے ہیں کہ وہ فضول خرچی کے بجائے بچت پر توجہ کریں۔ رسومات کے کم

ہونے یا ختم ہونے کا ایک نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس سے انفرادیت کو فروغ ملتا ہے اور برادری و خاندان کے رشتے کمزور ہو جاتے ہیں۔

اس مرحلہ پر ایک اہم سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ آخر انسان مل کر کیوں رہنا چاہتا ہے؟ انسانی تاریخ کے بالکل ابتدائی زمانے میں انسان کو تنہا رہنا پڑتا تھا اور اپنی غذا کے لئے اسے اپنی طاقت و قوت پر بھروسہ کرنا پڑتا تھا۔ اس تنہائی کی زندگی میں ایک طرف تو وہ فطرت کے مقابلہ میں خود کو غیر محفوظ خیال کرتا تھا' دوسرے غیر یقینی کیفیت سے دوچار تھا' لہذا اپنی حفاظت اور حالات کو یقینی بنانے کے لئے وہ اس بات پر مجبور ہوا کہ گروہ کی شکل میں رہے۔ اس نے اس میں گروہی نفسیات کو پیدا کیا۔ اسے اس بات کا پوری طرح سے احساس ہو گیا تھا کہ وہ اجتماعی طور پر رہ کر ہی ماحول سے مقابلہ کر سکتا ہے' یہی وجہ تھی کہ قبیلہ' برادری اور خاندان اس قدر طاقت ور ہو گئے کہ فرد کی کوئی اہمیت ہی نہیں رہی' بلکہ فرد کی پہچان قبیلہ' برادری اور خاندان ہو گیا۔ فرد کا اب یہ فرض تھا کہ وہ اپنے خاندان کی روایت کا تحفظ کرے اور ان کے وقار کے لئے اپنی جان تک دے دے۔ یہ قبائلی اور خاندانی تفاخر آج تک انسان کے ذہن میں گہرائی کے ساتھ موجود ہے۔

خاندان اور برادری کے ادارے اس وقت کمزور ہونا شروع ہوئے کہ جب ان کے مقابلہ میں ریاست اور اس کے ادارے پیدا ہوئے اور انہوں نے سماجی و معاشی ذمہ داریوں کو سنبھال لیا' مثلاً قرون وسطی میں چرچ کا ادارہ اس وجہ سے طاقت ور تھا کیونکہ معاشرے میں تعلیم کی ذمہ داری اس کی تھی۔ اس کے علاوہ غریبوں کو خیرات دینا اور انہیں پناہ مہیا کرنا بھی اس کے دائرہ کار میں آتا تھا' جب ریاست نے تعلیم کی ذمہ داری لے لی تو اس نے چرچ کے اثرورسوخ کو کم کر دیا۔ اس طرح جب یہ ذمہ داری ریاست کی ٹھہری کہ بیماروں کے لئے ہسپتال بنائے اور غریبوں کی نگہداشت کرے تو اس نے بھی چرچ کو کمزور کیا۔ اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ اب تک گاؤں میں لڑائی جھگڑوں کے فیصلے زمین دار یا پنچائت کیا کرتی تھی' مگر جب عدالتیں قائم ہو گئیں تو اس نے زمین دار کی طاقت کم اور پنچائت کا کردار بھی ختم ہو گیا۔

ریاست اس وقت اور بھی زیادہ طاقت ور ہو گئی کہ جب اس نے فرد کی حفاظت کی ذمہ داری بھی سنبھال لی اور اس غرض سے قانون کی بالادستی کو قائم کیا۔ یورپ میں ویلفیئر

ریاست کے قائم ہونے کے بعد اب یہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ فرد کو روزگار مہیا کرے' اس کو تعلیم و صحت کی سہولیات فراہم کرے' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ریاست طاقتور ہوتی چلی گئی اور فرد اس کا محتاج ہوتا چلا گیا' اگرچہ اسے حفاظت بھی مل گئی اور اس کی غیر یقینی کی کیفیت بھی دور ہو گئی' مگر اس کے بدلے میں اسے تنہائی اور اکیلاپن ملا' صنعتی ملکوں میں اس تنہائی کو دور کرنے کے لئے ریڈیو' فلم' ٹی وی اور ایسے کھیل موجود ہیں کہ جو ایک آدمی کو مصروف رکھتے ہیں پھر اکثر تنہا لوگ پالتو جانوروں میں اپنا ساتھی تلاش کر لیتے ہیں۔

ریاستی اداروں نے معاشرے میں امداد باہمی کے رویوں کو بھی بدل کر رکھ دیا ہے اب اگر کہیں آگ لگتی ہے تو محلے کے لوگ مل کر اسے نہیں بجھاتے ہیں' کیونکہ اب یہ فائر بریگیڈ کا کام ہو گیا ہے' اگر کوئی شخص بیمار ہے' اسے اب ایمبولنس ہسپتال لے کر جاتی ہے۔ وغیرہ' وغیرہ

یورپ میں اس صورت حال کے خلاف وقتاً" فوقتاً" آوازیں اٹھتی رہتی ہیں' مثلاً ۱۹۶۰ء کی دھائی میں ہپی تحریک چلی' جس نے تنہائی کے خلاف آواز اٹھاتے ہوئے کیمون کی زندگی شروع کی اور معاشرہ کی مروجہ روایات کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے انہیں توڑا' مگر ۱۹۸۰ء کی دھائی میں یہ تحریک دم توڑ گئی' اگرچہ اس عمل میں انسان نے دوبارہ سے تنہائی کو قبول کر لیا ہے' مگر اس کی ابتدائی تنہا زندگی غیر حفاظتی و غیر یقینی ماحول میں تھی' جب کہ اب وہ حفاظتی و یقینی ماحول میں تنہا ہے۔ کیا معاشرے میں انفرادیت کے جو جذبات شدید ہوئے ہیں' یہ اور زیادہ شدید ہوں گے یا انفرادیت تنہائی کی شدت میں کمزور پڑ جائے گی اور فرد ایک بار پھر اجتماعی زندگی کی طرف لوٹ جائے گا؟ ان سوالوں کے جوابات دینا مشکل ہے' لیکن اس کی طرف اشارہ کر دینا کافی ہو گا کہ تبدیلی تاریخی عمل کا ایک حصہ ہے' مگر روایات کا احیاء اپنی اصلی شکل میں نہیں ہوتا' زمانے کے تقاضے نئے حالات اور نئی روایات کو پیدا کرتے ہیں۔

اکثر یہ سوال بھی پوچھا جاتا ہے کہ گروہی حیثیت سے گذر کر اور انفرادیت کو فروغ دے کر انسان نے کچھ کھویا ہے یا پایا ہے؟ کیا فرد اس وقت خوش تھا کہ جب وہ قبیلہ اور خاندان میں مل کر رہتا تھا یا آج وہ زیادہ مطمئن ہے کہ جب اپنی نجی زندگی میں وہ آزاد ہے۔ اور اس کی اپنی خواہشات ہیں' چاہتیں ہیں اور پسند و ناپسند ہے؟ ان سوالات کا جواب بھی ہاں یا نہ میں دینا مشکل ہے' لیکن یہ حقیقت ہے کہ انسان اپنے حالات خود بناتا ہے اور پھر وہ

خود ہی ان حالات کا قیدی بھی ہو جاتا ہے۔

یورپ کا معاشرہ صنعتی ہے۔ اس میں جاگیردارانہ روایات کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ جمہوری روایات اور اداروں نے ریاست کو طاقتور بنا کر فرد کو اپنے تحفظ میں لے لیا ہے۔ ریاست اگرچہ مضبوط ہے' مگر وہ فرد کی آزادی کا احترام بھی کرتی ہے' اور اس کی نجی زندگی کے معاملات میں دخل نہیں دیتی اس کے برعکس ہمارا معاشرہ جاگیردارانہ اور صنعتی اقدار کا مکسچر ہے۔ شہروں میں صنعتی کلچر کو فروغ ہو رہا ہے' مگر جاگیردارانہ اقدار کی روح موجود ہے۔ نجی زندگی کا جس طرح سے یورپی معاشرے میں ارتقا ہوا ہے۔ اس طرح سے ہمارے معاشرے نے وہ مراحل طے نہیں کئے ہیں' لیکن یہ ضرور ہے کہ ہمارے ہاں بھی تہذیبی و سماجی رویے طبقاتی اثرات کے تحت ہیں۔

ہندوستان کے مسلمان معاشرے میں ابتداء ہی سے قبائلی اور برادری کے احساسات بڑے شدید تھے' جو لوگ وسط ایشیا اور ایران سے آئے تھے' انہوں نے نسلی بنیادوں پر اپنی شناخت کو قائم رکھا تھا۔ فرد کی عزت اس کے خاندان سے ہوتی تھی۔ اور جو اس سے باہر ہوتا تھا' اس کی معاشرے میں کوئی حیثیت نہیں رہتی تھی۔ اس لئے ذات' برادری سے خارج ہونا سب سے بڑی سزا تھی۔

نجی زندگی کا تصور اس وقت تک یہ تھا کہ گھر میں رہتے ہوئے فرد کا تعلق اس کے خاندان اور رشتہ داروں سے تھا' جب وہ چار دیواری سے باہر آتا تھا تو اس کی پبلک زندگی شروع ہو جاتی تھی' اب اس کی حرکات و سکنات سب لوگوں کے سامنے ہوتی تھیں' امراء جو بڑی حویلیوں میں رہتے تھے' ان کے گھر زنانہ اور مردانہ دونوں حصوں میں تقسیم ہوتے تھے' زنانہ حصہ کا تعلق اس کی نجی زندگی سے تھا' وہ یہاں جو بھی وقت گذارتا تھا' وہ لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہوتا تھا۔ زنان خانہ میں رہنے والی عورتیں روپوش تھیں' اسی لئے اکثر معاصر تذکروں میں بادشاہوں اور امراء کی بیگمات کے نام کم ملتے ہیں' ویسے بھی پبلک میں ان کا نام لینا بے ادبی تھا' کیونکہ یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ کسی اور کی ملکیت ہیں' لہٰذا اس ملکیت کے بارے میں کھلے عام بات کرنا کسی کا حق نہیں تھا۔ اگر کوئی نام لیتا تھا تو یہ اس کے مالک کی عزت و وقار پر حملہ تصور ہوتا تھا' یہی وجہ ہے کہ ہماری زبان کی اکثر گالیوں کا تعلق عورتوں سے ہے۔

مردانہ کا تعلق امیر کی پبلک زندگی سے تھا' یہاں دربار منعقد کرتا تھا۔ لوگوں سے ملتا تھا' رقص و سرور کی محفلیں بلاتا تھا اور لوگوں کے درمیان گھرا ہوا ہوتا تھا۔ اسی لئے جب وہ مردانہ میں آتا تو اس بات کا خیال رکھتا تھا کہ اس کا لباس اس کے سماجی رتبہ کے مطابق ہو' مردانہ میں آنے کے بعد وہ اس بات کا خیال رکھتا تھا کہ لوگوں سے ملنے ملانے اور بات چیت میں وہ ادب و آداب کا پورا خیال رکھے' ہر امیر کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ وہ لوگوں میں گھرا ہوا رہے' کیونکہ اس سے اس کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی ثابت ہوتی تھی' اس لئے وہ لوگوں کو اپنے قریب کرنے کے لئے ان کی مدد کرتا تھا' اس حیثیت سے اس کا کردار سرپرست کا ہوتا تھا' جو اپنے اور ملازموں کے کام آئے۔

ان حالات میں زنانہ اور مردانہ دونوں جگہوں پر اس کی اپنی ذات کو تنہائی کم ہی ملتی تھی۔ گھروں کی تعمیر اس طرح سے ہوتی تھی کہ ان میں بڑے بڑے برآمدے' دالان' بارہ دریاں اور پائیں باغ ہوا کرتے تھے۔ اس وقت تک گھروں میں کمروں کا رواج نہیں تھا۔ اور کوئی فرد علیحدہ سے اپنے کمرے میں نہیں رہتا تھا۔ برآمدے' دالان اور بارہ دریاں ان کی سرگرمیوں کی جگہیں تھیں۔ اور جب کبھی خلوت کی ضرورت ہوتی تھی تو دروازوں پر پردے ڈال دیئے جاتے تھے۔ دالانوں کے دونوں جانب کوٹھریاں ہوتی تھیں کہ جن میں سامان رکھا ہوتا تھا۔ یہ سامان بڑے بڑے صندوقوں' گھڑوں یا مچانوں پر رکھا جاتا تھا۔ گرمیوں میں لوگ باہر صحن میں سویا کرتے تھے۔ اور سردیوں میں دالانوں میں۔ رات کو جس کو جہاں جگہ ملتی تھی وہ وہاں سو جاتا تھا۔ ایک انگریز گارڈنر جس نے مغل شہزادی سے شادی کر لی تھی' اس کا کہنا تھا کہ وہ رات کو ۲۰ یا ۳۰ عورتوں کے درمیان سوتا ہے۔

اس دور میں کوئی بھی اکیلا رہنا پسند نہیں کرتا تھا۔ کھانا' پینا' سیر و تفریح سب لوگ آپس میں مل کر کیا کرتے تھے' تنہائی ایک ڈراؤنا تصور تھی' دیوانے' مجنوں اور سنیاسی تنہا رہا کرتے تھے۔ اور اس کے لئے وہ عام لوگوں سے مختلف سمجھے جاتے تھے۔

عورتوں کے سلسلے میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ انہیں تنہا نہ چھوڑا جائے' کیونکہ اس صورت میں ان پر آسیب آ سکتا ہے۔ وہ برے خیالات میں گھر سکتی ہیں۔ اس لئے عورتوں کی نگرانی رکھنی چاہئے' اگر وہ زنان خانے سے باہر جائیں تو ان کے ساتھ خادماؤں یا ملازموں کا جانا لازمی ہوتا تھا۔

شہروں اور قصبوں میں لوگ محلوں میں رہتے تھے۔ یہ محلے یا تو پیشوں کے لحاظ سے ہوتے تھے یا پھر نسلی بنیادوں پر لوگ مل کر رہتے تھے' مثلاً کوچہ چابک گراں' محلہ بلیماراں' محلہ قصاباں یا مغل پورہ اور محلہ سادات وغیرہ۔ پیشہ یا نسلی بنیادوں پر ساتھ رہنے کا مقصد اپنی حفاظت تھی' تاکہ اس تعلق سے لوگ ایک دوسرے کے کام آئیں' شادی بیاہ میں بھی برادری یا پیشہ کے رشتہ کو دیکھا جاتا تھا۔ محلے میں امیر و غریب دونوں ہی قسم کے خاندان ہوتے تھے' مگر سماجی لحاظ سے ان کے تعلقات ایک دوسرے سے گہرے ہوتے تھے۔ محلہ داری کی نسبت سے ان کے مفادات ایک ہو جاتے تے' محلے کے بزرگوں کی یہ ذمہ داری تھی کہ بچوں اور نوجوانوں کے کردار پر نظر رکھیں' بزرگوں کا احترام کیا جاتا تھا۔ محلے میں اگر کوئی بدمعاش بھی ہوتا تھا تو وہ محلے میں کوئی ایسی حرکت نہیں کرتا تھا کہ جس سے کوئی ناراض ہو' بلکہ وہ محلے کے لوگوں کی عزت و وقار کی حفاظت کرتا تھا۔ محلے کے لوگوں کی اجتماعی طور پر یہ کوشش ہوتی تھی کہ ان کا محلہ نیک نامی کا باعث رہے ان کے ہاں لڑائی جھگڑے نہ ہوں اور محلے کی فضا پرامن و پرسکون رہے۔

محلے میں امراء کی حویلیاں بھی ہوتی تھیں۔ اور غریبوں کے چھوٹے مکانات بھی۔ امراء کے پاس چونکہ کافی جگہ ہوتی تھی' اس لئے ان کی سرگرمیاں زنانہ و مردانہ میں محدود رہتی تھیں۔ غرباء اور متوسط طبقوں کے لوگوں کی نجی زندگی تو گھروں میں ہوتی تھی' مگر ان کی پبلک زندگی گلیوں میں آ جاتی تھی' یہاں پر ہی گھروں کے سامنے وہ پلنگ بچھا کر یا مونڈھوں پر بیٹھ کر محفلیں سجاتے تھے' وہیں پر بچے کھیل میں مصروف ہوتے تھے اور ان ہی گلیوں میں پھیری والے اپنے سامان فروخت کرنے آتے تھے اور عورتوں کو گھر کے دروازے پر ہر قسم کا سامان خریدنے کا موقع مل جاتا تھا۔

محلے میں ہمسائیگی کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا تھا' یہاں تک کہ بعض اوقات یہ رشتہ' رشتہ داروں سے بھی بڑھ جاتا تھا' چونکہ مکانات چھوٹے ہوتے تھے اور ایک دوسرے سے ملے ہوتے تھے' اس لئے لوگ ایک دوسرے کی گھریلو زندگی سے بخوبی واقف ہوتے تھے' ان میں نجی اور پبلک زندگی کا مفہوم واضح نہیں تھا' کسی فرد کی نجی زندگی پر بھی محلہ کا حق تھا' کیونکہ اس کے عمل اور کردار سے خاندان نیک نام و بدنام ہوتا تھا' یا محلہ بھی اس میں شامل ہوتا تھا' چنانچہ خاندان اور اہل محلہ اپنے ضابطہ اخلاق سے ہر شخص کے کردار کا محاسبہ کرتے

تھے۔ اس طرح سے فرد کی زندگی اجتماعی کنٹرول میں ہوتی تھی' جو افراد ان روایات سے بغاوت کرکے اپنی نجی زندگی میں آزادی چاہتے تھے' ان کے لئے آزاد ہونے کا ایک ہی راستہ تھا کہ وہ خاندان و برادری سے تعلقات توڑ لیں' کیونکہ فرد کی زندگی کے اہم معاملات کے فیصلے خاندان والے کیا کرتے تھے' مثلاً بچوں کی تعلیم کیا ہونی چاہیے؟' عورتوں کو کہاں اور کس تقریب میں جانا چاہیے؟' کس کی شادی کس کے ساتھ ہونی چاہیے؟' کون سا کھانا اور کس قسم کا لباس ہونا چاہیے؟ وغیرہ۔ جو ان روایت کی پابندی کرتے تھے' ان کے کردار کی تعریف کی جاتی تھی اور جو انحراف کرتے تھے' انہیں ناخلف اور بدکردار کہا جاتا تھا۔ ان روایات کی سختی کی وجہ سے معاشرہ ایک جگہ ٹھہر کر رہ گیا تھا۔

ہندوستانی معاشرے میں تبدیلی کی ایک لہر تو اس وقت آئی' جب مغل سلطنت ٹوٹنا شروع ہوئی اور اس ٹوٹ پھوٹ کے نتیجہ میں انتشار و بے چینی پیدا ہوئی۔ مستحکم سماجی ڈھانچہ جب بکھرا تو اس نے خاندانوں' برادریوں اور محلوں کی زندگی کو بدلنا شروع کر دیا۔ معاش کی تلاش میں لوگوں نے ہندوستان میں ایک جگہ سے دوسری جگہ ہجرت کرنی شروع کر دی' اس تبدیلی نے لوگوں کو ٹھہرے ہوئے ماحول سے نکال دیا اور معاشرے میں کچھ ذہنی تبدیلی آئی' اگرچہ جو لوگ ہجرت کرکے دوسری جگہوں میں گئے' انہوں نے اپنے خاندانی تفاخر کو برقرار رکھنے کی کوشش تو کی' مگر اب یہ تفاخر ماضی کی یادگار تھا اور انہیں اپنی بقاء کے لئے اپنی صلاحیت کو ثابت کرنا تھا' اس لئے جو ایسا نہیں کر سکے' وہ وقت کے ساتھ ختم ہو گئے۔

دوسری تبدیلی اس وقت آنا شروع ہوئی' جب ہندوستان میں آہستہ آہستہ برطانوی اقتدار قائم ہونا شروع ہوا' اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کے لئے اہل برطانیہ کو پرانے نظام کی جگہ نیا سماجی و معاشی نظام لانا تھا۔ اس لئے انہوں نے یہاں اصلاحات کے ذریعہ معاشرے کو تبدیل کرنا شروع کیا' اس نئی صورت حال میں بہت سی پس ماندہ ذاتوں اور برادریوں کو اس کا موقع ملا کہ وہ بدلتے ہوئے حالات میں اپنی پس ماندگی دور کریں' اس کی ایک مثال اچھوت لوگوں کی ہے کہ جنہیں تاریخ میں پہلی مرتبہ تعلیم کا حق ملا' ورنہ اب تک مذہبی و سماجی روایات کے تحت ان سے یہ حق چھینا جا رہا تھا۔ تعلیم نے ان میں ایک نیا شعور پیدا کیا اور انہوں نے ان وجوہات کو تلاش کرنا شروع کیا کہ جن کی وجہ سے وہ اب تک محرومیوں کا شکار رہے تھے۔

ہندوستان میں تیسری بڑی تبدیلی ۱۸۵۷ء کے المیہ کے بعد آئی' اس نے خصوصیت سے شمالی ہندوستان کے سماجی ڈھانچہ کو بدل کر رکھ دیا۔ اس نے حکمرانی کے اصول بدلے' سیاسی ضابطوں کو تبدیل کیا اور تہذیبی و ثقافتی روایات کی تشکیل نو کی۔ برطانوی دور میں ہندوستانی معاشرہ مکمل طور پر نئی اقدار و روایات پر تعمیر ہوا۔

سماجی زندگی میں اہم تبدیلی ملک کی تقسیم کے بعد آئی' اس کے نتیجہ میں قدیم و روایتی خاندان تباہ ہو گئے' برادریاں دو حصوں میں بٹ گئیں' شہروں کی آبادی بڑھنا شروع ہو گئی اور اس نے شہر کے قدیم اداروں کو تبدیل کرنا شروع کر دیا۔

خاص طور سے محلّہ کا قدیم ادارہ اس تبدیلی کی زد میں آیا' جن لوگوں کے پاس دولت آتی گئی' وہ پرانے محلوں سے شہر کی نئی آبادیوں میں بڑے مکانوں میں منتقل ہوتے گئے' ان نئی آبادیوں کی تعمیر طبقاتی لحاظ سے ہوئی۔ امراء' دولت مند تجار اور افسران نے اپنے علاقے بالکل علیحدہ رکھے' متوسط طبقے اور نچلے طبقوں کی آبادیاں علیحدہ سے آباد ہوئیں۔ اس طرح شہر کی آبادیوں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ فرد کا سماجی رتبہ کیا ہے؟ ان نئی آبادیوں میں محلّہ کا پرانا تصور تشکیل نہ پا سکا اور نہ ہی محلّہ کی ذہنیت بنی۔

جدید زمانے میں یورپ کی تہذیب کا اثر ہمارے معاشرہ پر اسطرح سے پڑا ہے کہ اب ہمارے رہن سہن' طرز زندگی و معاشرت میں بہت سی مغربی روایات آ گئی ہیں' اب گھروں کی تعمیر کے وقت ڈرائنگ و ڈائننگ رومز بننے لگے ہیں' اس سے پہلے ملاقاتیوں سے مردانہ میں یا ڈیوڑھی میں ملا جاتا تھا اور کھانا بھی دستر خوان بچھا کر کھایا جاتا تھا' اب جدید تعلیم یافتہ گھرانوں میں زنانہ و مردانہ کا فرق ختم ہو گیا ہے' اگرچہ جاگیردار گھرانوں میں یہ فرق اب بھی شدت کے ساتھ موجود ہے' اب ڈرائنگ روم میں اکثر خاندان کے لوگوں کی' جن میں عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں' ان کی تصاویر بطور آرائش نظر آتی ہیں' متوسط گھرانوں میں بھی اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ ہر فرد کا علیحدہ اپنا کمرہ ہو' بیڈ روم یا خواب گاہ کی نجی حیثیت آہستہ آہستہ ابھر رہی ہے' جہاں بغیر اجازت آنے کو برا سمجھا جاتا ہے۔

عورتوں کی نجی زندگی گھر تک محدود ہے' جب وہ باہر جاتی ہیں تو ان کے ساتھ کسی کا ہونا ضروری ہوتا ہے' تاکہ ان کی حفاظت ہو سکے' کیونکہ مرد عورت کو تنہا دیکھ کر اسے بے یارومددگار سمجھتے ہیں۔ اس کے پس منظر میں ذہنیت یہ ہے کہ عورت کا مقام گھر کی

چاردیواری ہے اور جب وہ اس سے باہر آ جاتی ہے تو وہ مرد کی جگہ میں دخل اندازی کر کے روایات کو توڑتی ہے' لہذا اس کو اس کی سزا چھیڑ خانی اور تنگ کر کے دینی چاہئے' تاکہ وہ آئندہ سے ان حدود کو توڑنے کی جرات نہ کرے۔

معاشرے میں اب تک نجی و پبلک زندگی کا فرق واضح نہیں ہے۔ یہ عام دستور ہے کہ لوگ اکثر ملاقاتوں میں نجی زندگی کے بارے میں پوری معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں' مثلاً اس قسم کے سوالات کہ شادی ہوئی یا نہیں' کتنے بچے ہیں' کہاں ملازم ہو' تنخواہ کتنی ہے' کس خاندان سے تعلق ہے کس مذہب یا فرقے کے ماننے والے ہو' وغیرہ وغیرہ۔ اکثر لوگ خود بھی اپنی نجی زندگی کے بارے میں لوگوں کے درمیان باتیں کر کے انہیں مرعوب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس قسم کی باتوں میں خاندان کی برتری' دوستوں سے تعلقات اور رشتہ داروں کے اثر و رسوخ کے موضوعات ہوتے ہیں۔

ہمارے معاشرے کا سماجی نقطۂ نظر سے مطالعہ دلچسپی کا حامل ہے' کیونکہ اس میں بیک وقت قدامت پرست' ترقی پسند اور لبرل غرض ہر قسم کے رجحانات کے لوگ ملتے ہیں' یہاں قبائلی روایات بھی ہیں تو برادری ذات پات کے احساسات بھی' لسانی گروہ بندی بھی ہے تو شہری و دیہی فرق بھی' جدید تعلیم یافتہ لوگ بھی ہیں تو روایتی تعلیم والے بھی' یورپی تہذیب کے دلدادہ بھی ہیں تو مقامی ثقافت پر فخر کرنے والے بھی۔ یہ سب ہی مل کر معاشرے کے تانے بانے بنتے ہیں' اور اس کی تشکیل کرتے ہیں۔ دوسرے معاشروں کی طرح ہمارا معاشرہ بھی تبدیلی کے عمل سے دوچار ہے۔ روایات ٹوٹ بھی رہی ہیں تو اس کی جگہ نئی اقدار لے رہی ہیں۔ ان میں سے کون سی اچھی ہیں اور کون سی بری' اس کا فیصلہ آنے والا مورخ ہی تاریخ کی روشنی میں کر سکے گا۔

پہلا باب: ابتدائی رومی عہد

رومیوں کے عہد میں خاندان کا ادارہ مضبوط ہو چکا تھا' خاندان کے اہم اجزاء میں سے ایک بچوں کی موجودگی ہوا کرتی تھی' کیونکہ یہی بچے آگے چل کر خاندانی روایت کو آگے بڑھاتے تھے' لیکن بچوں کی پیدائش کا انحصار خاندان کی آمدنی پر ہوا کرتا تھا۔ اسی حساب سے ان کی قدر ہوتی تھی' اور ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام ہوتا تھا۔ یونانیوں اور رومیوں میں یہ رواج تھا کہ پیدائش کے بعد بچے کو زمین سے اٹھا لیتے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ اس کی پرورش کریں گے' ورنہ اسے بازار یا کھلی جگہ پر رکھ دیتے تھے' تاکہ کوئی بھی اسے اٹھا کر لے جائے اس وقت بھی لڑکی کی پیدائش کو پسند نہیں کیا جاتا تھا اور اکثر اسے گھر کے باہر رکھ دیتے تھے' تاکہ جسے پسند آئے وہ لے جائے یا اسے مار ڈالتے تھے۔

امراء کا رجحان یہ تھا کہ وہ صرف اتنے بچے رکھنا چاہتے تھے کہ جن کی وہ پرورش کر سکیں اور جو ان کے خاندان و جائداد کے وارث ہوں' جو بچے ان کی ضرورت سے زیادہ ہوتے انہیں وہ کسی اور کے حوالے کر دیتے تھے۔

اگر یہ شبہ ہو کہ بچہ ناجائز ہے تو اس صورت میں اسے پبلک مقامات پر رکھ دیا جاتا تھا کہ کوئی اٹھا کر لے جائے۔ یہ دستور بھی تھا کہ لوگ بطور احتجاج بھی اپنے بچوں کو باہر رکھ دیتے تھے کہ یہ اس بات کی علامت تھی کہ وہ اس قابل نہیں کہ ان کی پرورش کر سکیں' اس طرح ان سے چھٹکارا پا لیا جاتا تھا۔

ناجائز بچہ اپنی ماں کے نام سے پہچانا جاتا تھا' جس بچہ کو متبنیٰ کیا جاتا تھا' وہ اپنے خاندان

کا نام اختیار کرتا تھا۔ رومیوں کے اس رجحان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے ہاں بچہ کو بھی جائداد کی طرح سمجھا جاتا تھا' جیسے کہ مکان' جانور یا ہیرے جواہرات اور اس وقت گھر میں رکھا جاتا تھا کہ جب ان کی ضرورت ہوتی تھی' ورنہ اسے بیکار اور بوجھ سمجھ کر پھینک دیا جاتا تھا۔

بچوں کی تعلیم و تربیت سے بھی رومی معاشرے کے رجحانات کا پتہ چلتا ہے' کیونکہ یہ وہ زمانہ تھا کہ جس میں جسمانی طاقت و قوت کے ذریعہ زندہ رہا جا سکتا تھا۔ اس لئے بچوں کی تربیت میں اس پر زور دیا جاتا تھا کہ وہ قوت و طاقت کے مالک ہوں' اور جسمانی محنت و مشقت کر سکیں۔ باپ جو کہ خاندان کا سربراہ ہوتا تھا وہ اپنا یہ فرض سمجھتا تھا کہ بچوں پر سختی کرکے انہیں مزاحمت و سختی کا عادی بنائے۔ بچوں کے ساتھ نرمی و محبت سے پیش آنے کو اچھا تصور نہیں کیا جاتا تھا۔

اسکول میں ۱۲ سال تک لڑکے و لڑکیاں ایک ساتھ پڑھتے تھے۔ اس کے بعد انہیں علیحدہ کر دیا جاتا تھا۔ صرف امراء کے بچوں کو اعلیٰ تعلیم کا حق تھا۔ نصاب میں ادب صرف و نحو اور فصاحت و بلاغت کی تعلیم دی جاتی تھی۔ لڑکیوں کی شادی ۱۲ سے ۱۴ سال کی عمر میں کر دی جاتی تھی۔ ان کے لئے رقص' موسیقی اور گائیکی میں ماہر ہونا ضروری تھا۔ فلسفہ اور سنجیدہ موضوعات پر پڑھنا ممنوع تھا۔ رومی لڑکے یونانی زبان ضرور سیکھتے تھے' کیونکہ یہ سائنس اور ادب کی زبان تھی۔

۱۶ یا ۱۷ سال کی عمر میں لڑکے ملازمت کر لیتے تھے۔ امراء کے لڑکوں کو اعلیٰ اور ذمہ داری کے عہدے ملتے تھے' چونکہ رومی معاشرے میں تقریر کی بڑی اہمیت تھی' اس لئے لڑکوں کو اس کی خوب تربیت دی جاتی تھی' تاکہ وہ اس کے ذریعہ سننے والوں کو متاثر کر سکیں۔

نوجوانوں میں جنسی بے راہ روی تھی۔ خصوصیت سے امراء کے لڑکوں میں' جو کہ رات کو جتھوں کی شکل میں جمع ہو کر سڑکوں پر شور کرتے تھے' راہ گیروں کو مارتے تھے' عورتوں کو چھیڑتے تھے اور پوری آبادی کے امن و سکون کو برباد کرتے تھے۔

خاندان میں سب سے زیادہ اہمیت باپ کی ہوا کرتی تھی' جس کے پاس لامحدود اختیار ہوا کرتے تھے۔ بچے اس کی ملکیت سمجھے جاتے تھے اور اسے یہ حق تھا کہ اگر وہ کسی سے

ناراض ہو تو اسے وراثت سے محروم کر دے۔ گھر میں باپ کی موجودگی میں بچوں کی کوئی مرضی نہیں چلتی تھی۔ بچوں کے لئے لازمی تھا کہ وہ اس کے وفادار رہیں' اس کے احکامات کی تابع داری کریں' ورنہ انہیں ملکیت کے ورثہ سے محروم ہونا پڑتا تھا۔ جائداد کی تقسیم باپ کے مرنے کے بعد ہی ہوا کرتی تھی' چونکہ باپ کا لڑکوں پر سخت اثر ہوا کرتا تھا۔ اس لئے ایسے واقعات بھی ہوتے تھے کہ جن میں بچے باپ کو قتل کر دیتے تھے' تاکہ اس کے مرنے کے بعد وہ اس سے آزاد ہو جائیں اور جائداد کو آپس میں تقسیم کر لیں۔

اس صورت حال کو مد نظر رکھتے ہوئے روم میں یہ بحث چلی کہ کیا بچوں کو ہمیشہ باپ کی اطاعت کرنا چاہئے؟ مثلاً اگر وہ بچوں سے ملک کے خلاف جنگ لڑنے' یا اس سے غداری کے لئے کہے تو کیا انہیں اس کا کہا ماننا چاہئے؟ اس کا جواب یہی تھا کہ وہ باپ کے ساتھ اس وقت تک رہیں' جب تک وہ ان سے اخلاقی روایات کی پابندی چاہتا ہے' اس سے آگے نہیں۔

وقت کے لحاظ سے یہ بحث بڑی اہم تھی اور اس بات کی جانب اشارہ کر رہی تھی کہ باپ کے اختیارات کے خلاف احتجاج ہو رہا تھا' اور بچے اپنے اپنے حقوق کے لئے جدوجہد کر رہے تھے۔ لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوالات پیدا ہو رہے تھے کہ کیا لامحدود اختیارات کے ذریعہ گھر اور معاشرہ کا تحفظ ہو سکتا ہے' کیا ان اختیارات کے سبب معاشرے کے مفادات پر زد نہیں پڑتی؟ اور اگر ایسا ہے تو معاشرے کے مفادات کے لئے گھر کی وفاداری کو قربان کرنا ضروری ہے۔

باپ کی طاقت کی نشانی اس کی محبت ہوا کرتی تھی۔ اس سے پتہ چلتا تھا کہ وہ اپنے بچوں میں سے کس کو زیادہ چاہتا تھا۔ اس لحاظ سے وہ ان کے حصے مقرر کرتا تھا۔ دستور تھا کہ وصیت کو پبلک میں پڑھا جاتا تھا۔ وصیت کے متن سے کسی امیر کے کردار کے بارے میں بھی پتہ چلتا تھا' اور اس سے اس کے بارے میں لوگوں کی رائے متعین ہوا کرتی تھی۔

رومیوں میں شادی ایک نجی معاملہ ہوا کرتی تھی۔ شادی کے وقت عورت و مرد کسی مذہبی راہنما یا ریاست کے عہدے دار کے سامنے پیش نہیں ہوا کرتے تھے' اور نہ ہی ان کے درمیان کوئی تحریری معاہدہ ہوا کرتا تھا۔ شادی کے وقت صرف جہیز کے سلسلہ میں ضرور بات چیت کی جاتی تھی۔ اس وجہ سے طلاق دونوں کے لئے آسان تھی' جب بھی تعلقات بگڑ

جاتے تو بغیر کسی قانونی رکاوٹ کے وہ علیحدہ ہو جاتے تھے۔ اس صورت میں بچے باپ کے پاس رہا کرتے تھے۔

ابتداء میں شادی فرض سمجھی جاتی تھی کہ جو ایک سماجی ضرورت تھی مگر بعد میں شادی کا مقصد یہ ہوا کہ بچے پیدا کئے جائیں' میاں اور بیوی کے درمیان' مرد کو عورت پر زیادہ حق تھا اور عورت کے لئے لازمی تھا کہ وہ شوہر کی اطاعت کرے۔

روم میں غلامی کا ادارہ بڑا مضبوط اور پھیلا ہوا تھا۔ یہ غلام نہ صرف گھروں میں کام کرتے تھے بلکہ صنعت و حرفت اور کانوں میں بھی بطور مزدور محنت و مشقت کرتے تھے۔ ان سے کھیتی باڑی کا کام بھی کروایا جاتا تھا۔ ان کے اور آزاد لوگوں کے درمیان نفرت و محبت کا رشتہ تھا۔ ان کے کام سے انہیں جو آرام اور مادی فوائد حاصل ہوتے تھے' اس کا احساس اور ان کے ساتھ جو ظلم ہوتا تھا' اس خیال سے انہیں غلاموں کی جانب سے ڈر اور خوف بھی رہتا تھا۔ غلاموں کو آزاد کرنے کا بھی رواج تھا' اگر غلام ظلم سے تنگ آ کر فرار ہوتا تھا تو اس کے لئے روزی کے حصول اور پناہ کے لئے کوئی جگہ نہیں ہوتی تھی سوائے اس کے کہ وہ خود کو غلاموں کے تاجر کے حوالے کر دے تاکہ اس طرح اسے شاید اچھا مالک مل جائے۔

معاشرے میں غلاموں کے بارے میں یہ احساسات تھے کہ یہ آزاد لوگوں کی طرح نہیں ہوتے۔ اس لئے ان کو بالغ بچوں کی طرح سے سمجھا جاتا تھا۔ معمولی خطاؤں پر سخت سزائیں دی جاتی تھیں' انہیں اس بات کی اجازت نہیں تھی کہ وہ شادی کر کے اپنا خاندان بنائیں' اگر ان کے کسی غلام عورت سے بچے ہتے تھے تو وہ آقا کی ملکیت ہوا کرتے اور ان کے نام آزاد بچوں سے مختلف ہوا کرتے' نفسیاتی طور پر غلام اپنے سماجی رتبہ پر مطمئن ہوا کرتا تھا۔ وہ یہ اپنا فرض سمجھتا تھا کہ آقا کی اطاعت کرے' اس کا وفادار رہے کیونکہ اسی صورت میں اسے مراعات ملتی تھیں' اگر آقا اس کی بیوی کے ساتھ سوتا بھی تھا تو اسے یہ برداشت کرنا ہوتا تھا۔

اکثر آقا اپنے غلاموں کو سخت سزائیں دیتے تھے' ہیڈرین' (Hadrian) ایک رومی بادشاہ نے ایک مرتبہ اپنے غلام کی آنکھ پھوڑ دی' بعد میں جب اسے احساس ہوا کہ اس نے زیادتی کی ہے تو اس نے غلام سے پوچھا کہ اسے کیا دیا جائے؟ اس پر غلام نے جواب دیا کہ

اسے اور کچھ نہیں چاہئے' سوائے پھوٹی ہوئی آنکھ کے۔

غلاموں کی اس حالت زار سے متاثر ہو کر رواقی فلسفہ کے تحت آقاؤں کو اس بات کی تلقین کی گئی کہ وہ اپنے غلاموں کے ساتھ بہترین سلوک کریں' مگر یہ محض نصیحت تھی اور اس کا مقصد یہ تھا کہ آقا اپنے اچھے سلوک سے اس ادارے کو مزید مستحکم کریں کیونکہ سخت سزاؤں کی وجہ سے غلام جسمانی طور پر ناکارہ ہو جاتے تھے یا مرجاتے تھے' جو کہ مالک کے لئے نقصان تھا' اسی طرح وہ سزاؤں سے ڈر کر بھاگ جاتے تھے یا بغاوت کرتے تھے' اس لئے اچھے سلوک کا مقصد تھا کہ غلام اپنی حالت پر مطمئن رہیں اور وفاداری سے اپنے فرائض سرانجام دیتے رہیں۔ اس سے مالک اور غلام کے روابط بہتر ہوں گے اور دونوں کے درمیان جو کشیدگی ہے' وہ ختم ہو جائے گی۔

آخری دور میں غلاموں کو شادی کی اجازت دے دی گئی تھی' شاہی فرامین کے ذریعہ اس کی ممانعت کر دی گئی تھی کہ کنیز کو بطور طوائف رکھا جائے گا' اگرچہ ان اخلاقی اصولوں کے پرچار سے غلامی کے ادارے پر تو فرق نہیں پرتا مگر یہ ضرور ہوا کہ ان اصولوں کی وجہ سے لوگوں نے غلاموں کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔

آخری دور میں عیسائیت کے اثر سے غلاموں کو اخلاقیات کا یہ درس دیا گیا کہ انہیں آقا کی خدمت اس لئے نہیں کرنی چاہئے کہ وفاداری اچھی چیز ہے' بلکہ اس لئے کہ یہ ایک اخلاقی فرض ہے۔ اس زمانہ میں یہ روایت بھی پڑی کہ غلام کے خاندان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے نہیں بیچا جائے گا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رومی عہد کے آخر میں اس ادارے میں حالات کے تحت تبدیلی آ رہی تھی اور لوگوں کے رویے غلاموں کے بارے میں بدل رہے تھے۔

اس وقت تک گھر میں رہنے والے افراد کے لئے تنہائی کا کوئی تصور نہیں تھا۔ ملازم اور غلام رات کو جہاں بھی جگہ مل جاتی تھی' سو جاتے تھے اور اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ رات کو آقا یا مالکن کے ساتھ کمرے میں زمین پر لیٹ کر سو جاتے تھے۔

امراء کی عورتیں جب بھی باہر جاتیں تو ان کے ساتھ ملازمائیں ہوا کرتی تھیں۔ ان کا جائداد میں برابر کا حصہ ہوتا تھا اور اگر وہ خود صاحب جائداد ہوں تو وصیت بھی کرتی تھیں' جو عورتیں مردوں سے زیادہ مال دار ہوتی تھیں' وہ شوہروں کی فرماں برداری نہیں کرتی

تھیں۔

مرد کو اس بات کی آزادی تھی کہ وہ بیوی کے ساتھ ساتھ داشتائیں بھی رکھ سکتا تھا جو کہ آزاد عورتیں ہوتی تھیں' ان سے جو اولاد ہوتی تھی ان کے نام ماں کے ساتھ منسلک ہوتے تھے اور وہ باپ کی جائداد کے وارث نہیں بن سکتے تھے۔

جو غلام آزاد ہو جاتے تھے' وہ اکثر اپنا کاروبار کرتے تھے' مگر ان لوگوں کے لئے طبقاتی معاشرے میں کوئی مقام حاصل کرنا مشکل تھا۔ یہ اپنی دولت کے باوجود باعزت سماجی رتبہ حاصل نہیں کر سکتے تھے کیونکہ آزاد غلاموں کے لئے کوئی ایسا معاشرتی طبقہ نہیں تھا کہ جو انہیں اپنے اندر ضم کر لے۔ یہ خود نہ تو اپنا علیحدہ سے خاندان بنا سکتے تھے اور نہ ہی خاندان کی بنیاد پر عزت و مرتبہ حاصل کر سکتے تھے مگر ایک نسل کے بعد یہ معاشرہ میں گھل مل جاتے تھے اور اپنی دولت کے لحاظ سے کوئی نہ کوئی معاشرتی مقام حاصل کر لیتے تھے۔

رومیوں میں غلاموں کو آزاد کرنے کا دستور تھا۔ آزاد کرنے کی کئی وجوہات تھیں۔ اکثر مرتے ہوئے غلام کو آزاد کر دیتے تھے' تاکہ وہ بحیثیت آزاد شہری کے مر سکے۔ آقا یا مالک بھی اپنی موت کے قریب غلاموں کو آزاد کرتے تھے' یہ بھی ہوتا تھا کہ آقا غلام کو تجارت اور کاروبار کی اجازت دے دیتا تھا اور اس سے یہ طے کر لیتا تھا کہ خاص رقم کی ادائیگی کے بعد وہ آزاد ہو جائے گا۔

رومی معاشرے میں ہر آزاد شخص کو کسی سرپرست کی ضرورت ہوتی تھی کہ جو اس کی حفاظت کر سکے کیونکہ ملازمت کے حصول اور سیاست میں کامیابی کے لئے ضروری تھا کہ کوئی بااثر شخص اس کی حمایت کرے۔ ادیب و شاعر اور فلسفی کہ جو اپنا زیادہ وقت علم کے حصول میں صرف کرتے تھے ان کی آمدنی کے کوئی ذرائع نہیں ہوتے تھے۔ اس لئے وہ بھی کسی سرپرست کی تلاش میں ہوتے تھے کہ جو ان کی مالی ضروریات کو پورا کرے اور یہ فرصت کے ساتھ اپنے ادبی و علمی مشاغل میں مصروف رہیں۔

اگرچہ بعض افراد دولت مند ہوتے تھے مگر اس کے باوجود وہ کسی بوڑھے مال دار سرپرست کی تلاش میں رہتے تھے تاکہ وہ اپنی وصیت میں انہیں حصہ دار بنائے۔

دستور یہ تھا کہ سرپرست کے متوسلین صبح کے وقت اس کے ہاں حاضری دیتے تھے' غیر حاضری کو نافرمانی سمجھا جاتا تھا۔ حاضری کے وقت یہ لوگ رومی قبا پہنے ہوئے ایک قطار میں

کھڑے ہو جاتے تھے اور باری باری سرپرست سے ملتے تھے' یہاں پر ہر آنے والے کو کوئی نہ کوئی تحفہ ملتا تھا' کھانے کے وقت پر ہر فرد کو اس کی حیثیت کے مطابق کھانا دیا جاتا تھا۔

سرپرست کے اس ادارے اور اس کی اہمیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاشرے میں حکومتی اثر و رسوخ قائم رکھنے کا ایک ذریعہ تھا۔ اس کے ذریعہ دولت مند اور بااثر افراد اپنی قوت و طاقت کو قائم رکھتے تھے' یہی لوگ حکومت کے ارکان ہوتے تھے۔ اس سے معاشرے میں بااثر و محروم "طبقوں کی بنیاد پڑی" نچلے طبقوں کے لوگ بغیر کسی کی سرپرستی کے خود کو محفوظ نہیں سمجھتے تھے۔ سرپرست نہ صرف ان کی مالی ضروریات کو پورا کرتا تھا' بلکہ یہ ان کے روز مرہ کے کاموں میں بھی مدد دیتا تھا اور ان کی سفارش کرتا تھا۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ایک اکیلے فرد کی معاشرہ میں کوئی اہمیت نہیں تھی' اور نہ ہی ذہنی صلاحیت ترقی میں مددگار ہوتی تھی' جب تک کہ کوئی اس کی سرپرستی نہ کرے' اس لئے ماتحت لوگ ہمیشہ سرپرست کی خوشامد میں مصروف رہتے تھے' تاکہ اس کی خوشنودی حاصل ہو سکے اور اس کی سفارش پر وہ ترقی کر سکیں۔

دوسری طرف سرپرست کو مصاحبین کی ضرورت ہوتی تھی تاکہ ان کے ذریعہ وہ اپنی شان و شوکت برقرار رکھ سکے' کیونکہ کسی کی شہرت اور عزت اس پر منحصر تھی کہ اس کے دروازے پر کس قدر لوگوں کا مجمع ہوتا ہے۔ اس مجمع کو برقرار رکھنے کے لئے یہ شان دار دعوتیں کرتے اور لوگوں کی سفارش کرتے تھے' کیونکہ اس سے ان کی عزت بڑھتی تھی اور وہ لوگوں میں جانے و پہچانے جاتے تھے۔

رومی دور حکومت میں سرکاری عہدے دار اپنی تنخواہ کا بندوبست خود کرتے تھے' جو فوجی دستہ دیہات میں تعینات ہوتا تھا وہ کسانوں سے پیسے وصول کرتا تھا' جن لوگوں کو عہدے داروں سے کام ہوتا تھا وہ ان کے لئے بطور رشوت تحفے تحائف لاتے۔ رشوت کا دستور عام تھا۔ لوگ عہدے داروں کو خوشی سے بھی دیتے تھے اور یہ لوگ اپنے عہدے اور طاقت کو استعمال کرتے ہوئے لوگوں سے جبریہ بھی پیسے وصول کرتے تھے۔ اسی طرح سے غیر قانونی ٹیکس وصول کرنا عام تھا۔ حکومت اس لئے خاموش رہتی تھی کہ اسے اس کا حصہ ملتا رہتا تھا۔ صوبوں کے گورنر اپنے عہدے کے دوران خوب دولت اکٹھی کرتے تھے اور اس سے اپنی جائدادیں بناتے تھے۔ جبریہ پیسہ وصول کرنے کے علاوہ گورنر تجارت بھی کرتے تھے'

اور اس سے بھی دولت اکٹھی کرتے تھے' ان حالات میں عہدے داروں کے لئے چالاک اور بے ایمان ہونا ضروری تھا' جو لوگ ایمان دار تھے ان کے لئے حالات سخت ہوا کرتے تھے۔

رومی عہدے داروں کے لئے عزت و وقار بڑی اہم چیز تھی' اگر ان سے یہ چھین لی جاتی تو معاشرے میں ان کی حیثیت گر جاتی تھی۔ اس لئے یہ وہ اپنی عزت کی خاطر زندگی تک کو قربان کر دیتے تھے۔

رومی امراء صوبائی شہروں میں اپنے ذاتی اخراجات سے عمارات تعمیر کراتے تھے اور عوام کی تفریح کے لئے جنگجوؤں کی لڑائیاں یا دوسری تفریحات منعقد کراتے تھے' ان عمارات کا مقصد شہر کو خوبصورت بنانا اور شہریوں کو تفریح پہنچانا ہوا کرتا تھا' جو امراء شہر کی سہولتوں میں اضافہ کرتے تھے انہیں "فادر آف سٹی" یا سرپرست شہر کا خطاب دیا جاتا تھا' اس خطاب کو وہ اپنے مقبرے پر لکھا کرتے تھے اور اکثر ان کی خدمات کے اعتراف میں شہر میں ان کا مجسمہ بنا کر ایستادہ کیا جاتا تھا۔

امراء خود کو معاشرے میں اہم تصور کرتے تھے' شادی بیاہ کے موقعوں پر لوگوں کی دعوتیں کرتے تھے' سوگ کے موقع پر بھی لوگوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ اس کے علاوہ تفریح کے لئے لڑائی کے تماشے منعقد کراتے تھے جو بھی موقع ہوتا تھا شہر کی فلاح و بہبود کے لئے پیسے خرچ کرتے تھے۔ ان کی ان سرگرمیوں کی وجہ سے ان کی فیاضی و سخاوت کا پہلو لوگوں کے سامنے آتا تھا' جو ان کی عزت میں اضافہ کرتا تھا۔

موت کے بعد اپنی یاد کو برقرار رکھنے کے لئے اکثر امراء اپنی جائداد وقف کر دیتے تھے کہ جس کی آمدنی سے ہر سال ان کی برسی منائی جاتی تھی یا کبھی ان کے نام سے کوئی تہوار منایا جاتا تھا' فیاضی و سخاوت میں نام پیدا کرنے کے سلسلہ میں یہ لوگ ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے تھے' مثلاً پبلک حمام میں اگر ایک نے غسل کے لئے مفت تیل فراہم کیا ہے تو دوسرے نے عوام میں خوشبودار تیل تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ ایک امیر نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا تھا کہ "میں چاہتا ہوں کہ جب میں مروں تو میری موت مثالی بن جائے" اس لئے امراء کے محبوب مشاغل میں دعوتیں' سرکسیں' تماشے کرانا عمارتیں بنوانا' مجسمہ ایستادہ کرانا شامل تھا۔

رومی امراء دیہاتیوں کو حقارت سے دیکھتے تھے اور شہروں میں کہ جہاں مزدوروں کی

تعداد کافی ہوا کرتی تھی' انہیں شبہ کی نظر سے جانچتے تھے۔ ایک مرتبہ رومی شہنشاہ کے حکم سے اسکندریہ شہر سے کسانوں کو اس لئے نکال دیا گیا تھا کہ ان کے طور طریق شہریوں جیسے نہیں تھے۔ رومی عہد میں شہر کی اپنی حیثیت ہوا کرتی تھی کہ جہاں میونسپل کونسلوں کے ذریعہ عوام کو قابو میں رکھا جاتا تھا۔ امراء میں کام کرنے کا رواج نہیں تھا یہ اسے برا سمجھتے تھے' ان کے نزدیک محنت بے وقعت چیز تھی' جبکہ فرصت کی اپنی شان تھی۔ اس وجہ سے معاشرہ میں ہاتھ سے کام کرنے والا ذلیل اور کم تر تھا۔ جو محنت نہیں کرتے تھے وہ معاشرے میں صاحب وقار تھے' کام سے نفرت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ محنت مزدوری کے کام غلام کیا کرتے تھے اور غلاموں کا سماجی رتبہ معاشرے میں کچھ نہیں تھا۔

یونانی معاشرے میں بھی دولت مند اور امراء کیلئے لئے کام کرنا ان کی شان اور مرتبہ کے خلاف سمجھا جاتا تھا' ان کے نزدیک مکمل آدمی وہ تھا کہ جس کے پاس فرصت ہی فرصت ہو' افلاطون کے نظریہ کے مطابق شہریوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ دیہات میں غلاموں کی محنت سے پیداوار پر پرورش پائیں اور شہروں کو منظم کریں۔ تجارت بھی غیر اہم لوگوں کے پاس ہونا چاہئے' اگر شہری کو فرصت مل جائے تو وہ انسانیت کی تکمیل کے لئے کام کرے۔ ارسطو نے کام کرنے والوں کے لئے کہا ہے کہ کام وہ کرتے ہیں جو اخلاقیات کے معیار پر زندگی نہیں گذار سکتے' ایک اور یونانی فلسفی ڈیمو سینتھینز کا کہنا ہے کہ چونکہ غریب انسانوں کی طرح نہیں رہتے' اس لئے وہ پورے انسان نہیں' انسانیت صرف امراء میں ہوتی ہے۔

اس کی ایک دلیل یہ بھی تھی کہ چونکہ محنت مزدوری کرنے والے اپنی تمام زندگی روزی کے لئے اور کام کرنے میں گذار دیتے ہیں' اس لئے ان کے پاس اتنی فرصت ہی نہیں ہوتی کہ وہ کچھ تخلیق کر سکیں۔

لیکن تاریخی شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امراء اور دوسرے طبقوں میں تعلقات ٹھیک نہیں تھے' معاشرے میں طبقاتی شعور ابھر رہا تھا' خاص طور سے امراء اور تاجروں میں اختلافات پیدا ہو رہے تھے' اس کی وجہ یہ تھی کہ تاجر اپنی دولت کی وجہ سے بااثر ہو رہے تھے' ان کے اس اثر سے امراء کے طبقے میں بے چینی پھیل رہی تھی' اس لئے انہوں نے تاجروں کو حقارت سے دیکھنا شروع کر دیا اور انہیں لالچی' خود غرض' منافع خور' نودولتے کہہ

کر ان کا مذاق اڑانا شروع کر دیا' اس بات پر بھی تنقید کی گئی کہ تاجر دولت کی خاطر دور دراز کا سفر کرکے فطرت کو خراب کرتے ہیں۔ سمندر پار کرکے اس کی سرحدوں کو توڑتے ہیں اور یہ کہ یہ لوگ دوسرے ملکوں سے واپسی پر برائیاں ساتھ لاتے ہیں' اس کے مقابلہ میں امراء اپنی جاگیر اور رتبہ کی بناء پر خود کو اعلیٰ سمجھتے تھے' ان کا خیال تھا کہ زمین سے ناطہ ہونے کی حیثیت سے وہ تاجر سے زیادہ ممتاز ہیں اور انہیں کی سرپرستی میں معاشرے میں کلچر پیدا ہوتا ہے اور پھیلتا ہے۔

یونانیوں کی طرح رومیوں میں بھی عزت کا پیمانہ یہ تھا کہ کس کو کتنی فرصت ہے۔ اور کوئی کیا کام کرتا ہے؟ رومی فلسفی سسرو کا کہنا تھا کہ تجارت ایک گندی چیز ہے' لیکن اگر بڑے پیمانے پر کی جائے تو بری نہیں ہے' صنعت کار اور دست کار جو ہاتھ سے کام کرتے ہیں' وہ نچلی ذات کے ہیں' انجینئر اور ڈاکٹر قابل عزت ہیں' اگرچہ دوسرے معززین کے برابر نہیں۔

ایک اور فلسفی گیلن کے دوست نے فلسفہ پڑھانا اس لئے چھوڑ دیا تھا کہ اس سے اس کی فرصت ختم ہو گئی تھی' چونکہ اساتذہ روزی کے لئے کام کرتے تھے' اس لئے ان کی زندگی غلاموں کی طرح تھی۔ اور ان کا وقت اپنا نہیں ہوتا تھا' امراء کو فرصت کے اوقات غلاموں نے دیئے کہ جو گھریلو کام سے لے کر کھیتوں اور کارخانوں میں محنت و مشقت کرکے انہیں دولت فراہم کرتے تھے اور یہ اپنا تمام وقت فرصت میں گذارتے تھے' اس وقت وہ فلسفہ فصاحت و بلاغت' قانون' طب اور شاعری کا مطالعہ کرتے تھے اور ورزش کے ذریعہ خود کو جسمانی طور پر خوبصورت رکھتے تھے۔ یہ لوگ نچلے درجہ کے لوگوں کا ان کے پیشوں کی وجہ سے مذاق اڑاتے تھے اور انہیں ذہنی طور پر کم تر اور بدتہذیب سمجھتے تھے' ان کے اس رویہ کا اظہار شاعروں کی ان ہجوؤں میں ہے کہ جو انہوں نے عام لوگوں پر لکھی ہیں یا مجسمہ تراشوں کے ان مجسموں میں ہے کہ جس میں نچلے طبقے کے لوگوں کو جسمانی طور پر بھدا اور بدنما دکھایا گیا ہے۔

اگر کوئی امیر اپنے محل یا فرنیچر سے چھٹکارا پانا چاہتا تو وہ اسے نیلام کر دیتا تھا' بادشاہ بھی اپنی چیزوں کا نیلام کرتے تھے' اگر کسی کو قرض دیا جاتا تو اس سے سود وصول کیا جاتا تھا' اگر بیوی کے جہیز میں دیر ہو جاتی تھی تو باپ اس پر سود دیتا تھا۔ ہر کام کے لئے پیسے تھے' اگر

طبقہ اعلیٰ کی خاتون سے تعلقات ہو جاتے تو اس کو رقم دی جاتی تھی' اگر کوئی بیوی شوہر سے بے وفائی کرتے ہوئے چاہنے والے سے تعلق قائم کرتی تو اس سے سالانہ رقم لیتی تھی' یہ رقم کام کا معاوضہ سمجھی جاتی تھی۔

سود پر رقم دینے والے بنکرز یا ساہوکار نہیں' بلکہ امراء اور سینیٹرز ہوا کرتے تھے' لوگ مال دار شخص کے گرد جمع رہتے اور اس کی خوشامد کرتے تھے تھے' تاکہ وہ انہیں اپنی وصیت میں یاد رکھے' اس لئے کسی کے گرد خوشامدیوں کا جمع ہونا اس کے اعلیٰ سماجی رتبہ کی نشانی تھی۔

ماہر آثار قدیمہ نے تقریباً ایک لاکھ کے قریب قبروں کے کتبے دریافت کئے ہیں۔ یہ کتبے صرف امراء کی قبروں پر ہی نہیں ہوتے تھے' بلکہ عام لوگوں کی قبروں پر بھی نصب ہوتے' ان کتبوں میں لوگوں کے لئے مختلف قسم کے پیغامات ہیں۔ مثلاً ایک کتبہ میں ہے کہ "میں اتنا عرصہ زندہ رہا کہ جو میرے لئے متعین تھا' میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ زندگی کو مجھ سے زیادہ پرمسرت بناؤ' یہی زندگی ہے' میں نے کبھی کسی فلسفی کی باتوں پر دھیان نہیں دیا اور اس لئے خوش رہا' ڈاکٹروں سے ہوشیار رہو کہ یہی وہ لوگ ہیں' جنہوں نے مجھے مارا ہے۔"

ان کتبوں میں دوسری زندگی کے بارے میں کچھ نہیں ملتا' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رومی اسی زندگی سے مطمئن تھے اور دوسری زندگی کی انہیں کوئی فکر نہیں تھی' مرنے والا ان کتبوں کے ذریعہ آزادی کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے' وہ ان لوگوں کو برا بھلا کہتا ہے' جنہوں نے اسے زندگی میں تکلیف پہنچائی تھی۔ ایک کتبہ میں محسن کش دوست کو لعنت ملامت کرتے ہوئے اسے ڈاکو کہتا ہے' ایک باپ اپنے کتبہ میں اعلان کرتا ہے کہ اس نے اپنی نافرمان بیٹی کو عاق کر دیا ہے' ایک ماں کسی عورت کو الزام دیتی ہے کہ اس نے اس کے بیٹے کو زہر دے کر ہلاک کر دیا۔

اس طرح قبر کے ان کتبوں میں مرنے والے اپنی شکایات' نصیحتیں اور ہدایات کا اظہار کرتے تھے۔ اور ان سب کا موضوع مذہب نہیں' بلکہ دنیاوی ہے' اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو آخرت کا کوئی خوف نہیں تھا اور نہ ہی انہیں اپنی مغفرت کی کوئی فکر تھی۔ مثلاً ایک امیر نے اپنے ڈائننگ ہال میں یہ لکھوا کر لگا رکھا تھا کہ "مہربانی کر کے جھگڑالو زبان

سے پرہیز کرو' اگر نہیں' تو اپنے گھر چلے جاؤ- اپنی شہوت بھری نظروں سے دوسروں کی بیویوں کو مت گھورو' بہتر ہے کہ چہرے پر پاکیزگی کا نور ہو-

امراء اور حکومت کے اعلیٰ عہدے داروں کے لئے یہ لازمی تھا کہ وہ عوام کے سامنے سنجیدہ رہیں' ایک دوسرے سے ہنسی مذاق نہیں کریں' سسی پو نے انہیں آداب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ امراء کو پبلک کے سامنے سنجیدہ اور دوستوں میں خوش باش رہنا چاہئے-

ان کے مقابلہ میں ایک عام آدمی پر کسی قسم کی پابندیاں نہیں تھیں' وہ ہنسی مذاق میں آزاد تھا' زور زور سے گا سکتا تھا' شور مچا سکتا تھا' اچھل کود کر سکتا تھا- اس چیز کے پیش نظر سینیکا نے کہا تھا کہ ایک غریب آدمی کو زیادہ اور زور سے ہنسنے کی آزادی ہے-

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امراء کو اپنے وقار' اور عوام میں اپنی عظمت برقرار رکھنے کے لئے اپنی خواہشات اور جذبات کو دبانا پڑتا تھا' اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ روم میں لوگوں کے رویئے اور رجحانات حکمراں طبقوں کی مرضی کے مطابق ہوا کرتے تھے اور طبقہ اعلیٰ کو یہ خوف رہتا تھا کہ لوگوں میں ان کی عادات اور آداب کے بارے میں کیا رائے ہے؟ اس لئے اگر کسی سے کوئی غلطی ہو جاتی تھی تو وہ اس پر سب کے سامنے شرمندگی کا اظہار کرتا تھا-

معاشرے میں توہم پرستی کا بھی زور تھا' امراء خصوصیت سے ہر کام شروع کرنے سے پہلے نجومیوں سے مشورہ کرتے تھے' خوابوں کی تعبیر پوچھتے' بھوت پریت پر یقین کرتے اور اس بات پر بھی یقین رکھتے تھے کہ نظربد ان کی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے' اس لئے جادو و ٹونے کے ذریعہ اس سے خود کو بچایا جائے-

رومی معاشرے میں عورتوں اور مردوں کے درمیان واضح فرق ہو گیا تھا' عورت کا جو مقام متعین ہوا تھا' اس میں اس کا کردار دبا ہوا تھا' اسی لئے عورت کے اس پس ماندہ مقام کی وجہ سے عورتوں کی خصوصیات کو انتہائی تنقیدی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور یہ فرق کیا جاتا تھا کہ مردانہ اور زنانہ خصوصیات کیا ہیں؟ اگر کسی مرد میں زنانہ خصوصیت میں سے کوئی بھی پائی جاتی تھی تو یہ اس کے مردانہ کردار کے لئے انتہائی مضر تھی- اس سے معاشرے میں اس کا مقام گر جاتا تھا' اس وجہ سے رومی معاشرے میں عورتوں کی طرح بولنا' اشارے کرنا'

ہاتھ ہلانا اور آہستہ آہستہ چلنا کردار کی کمزوری تھی' مردانہ کردار کے لئے سختی اور درشتی کو ضروری سمجھا جاتا تھا' کہا جاتا تھا کہ جیسے کمزور جسم کا حصہ جراثیم سے خود کو محفوظ نہیں رکھ سکتا ہے' اسی طرح سے کردار میں نرمی مرد کو برائیوں میں الجھا دیتی ہے۔ اس سے آرام' سہل پسندی اور عیش و عشرت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور مرد عورتوں میں دلچسپی لینے لگتا ہے' لہٰذا سہل پسندی دور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مرد چاق و چوبند رہے۔

رومی فلسفیوں نے انسان میں برائیوں کی جڑ خواہشات کو بتایا ہے کہ جو انسان کو نہ صرف انتہا پسند بنا دیتی ہیں' بلکہ اس کو مادی الجھنوں میں بھی پھنسا دیتی ہیں' اس طرح یہ گوتم بدھ کی تعلیمات کے قریب تھے کہ جو انسانی نجات کے لئے خواہشات کے خاتمہ کو ضروری سمجھتے تھے۔

امراء کے بارے میں لوگوں کا تاثر اس چیز سے بنتا تھا کہ کون عمارتوں کی تعمیر' دعوتوں' مصاحبوں اور عورتوں پر بے تحاشہ خرچ کرتا ہے؟ اور کون ہے کہ جو دولت جمع کرتا ہے اور اسے استعمال نہیں کرتا؟ جو لوگ دولت خرچ کرنے میں کنجوسی کرتے تھے' ان لوگوں کو معاشرہ میں برا سمجھا جاتا تھا' کیونکہ دولت کے بارے میں یہ تصور تھا کہ اسے خرچ کیا جائے' جمع نہ کیا جائے۔

محفلوں میں اس بات کا پورا پورا خیال رکھا جاتا تھا کہ بزرگوں کا احترام کیا جائے اور ان کے احکامات پر عمل درآمد کیا جائے۔

رومی بادشاہوں کے ہاں دربار کی روایت نہیں ہوتی تھی' یہ محل میں رہا کرتے تھے۔ اور تقریباً ہر شام امراء کی دعوت کیا کرتے تھے کہ جس میں اہم حکومتی عہدے دار' سینیٹرز جمع ہوا کرتے تھے' عام لوگوں کے ملنے کی جگہ شراب خانے ہوا کرتے تھے۔ یہاں پر عام لوگ ہنسی مذاق کرتے اور آپس میں لڑائی جھگڑے کرتے تھے' عام لوگ امراء کے گھروں پر جانا بے عزتی سمجھتے تھے۔

ہر شہر میں پیشہ ور لوگوں کا ایک ادارہ' یا کالج ہوا کرتا تھا' جس کے ممبر صرف مرد حضرات ہوتے تھے' یہاں پر یہ لوگ آپس میں ملا کرتے تھے اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے تھے' اس کے ممبر غلام بھی ہوتے تھے' کیونکہ یہ چاہتے تھے کہ انہیں مرنے کے بعد لاچار لوگوں کی طرح دفن نہ کر دیا جائے' کیونکہ یہ پیشہ ورانہ کالج ممبروں کو اپنے

مقرر شدہ قبرستانوں میں شان و شوکت سے دفن کرتا اور ان کی یاد میں ایک بڑی دعوت منعقد کرتا تھا۔ حکومت عام لوگوں کے اس طرح سے جمع ہونے کو شبہہ کی نگاہ سے دیکھتی اور ان سے خطرہ محسوس کرتی تھی۔

تہواروں یا خاص موقعوں پر جانوروں کی قربانی دی جاتی تھی اور ان کا گوشت پکا کر دوستوں کی دعوت کی جاتی تھی' اگر مندر میں قربانی کرتے تو گوشت کا ایک حصہ مندر کے پجاری کے حوالے کر دیتے جو اسے اپنی آمدنی کے لئے قصابوں کو فروخت کر دیتا تھا۔ غریب لوگ جو جانوروں کی قربانی نہیں کر سکتے تھے' وہ محض مرغی کی قربانی کرتے اور اس کا گوشت پکا کر کھاتے' یا محض روٹی کو قربانی کی میز پر رکھ کر اس فرض سے آزاد ہو جاتے تھے۔

ملنے کی جگہوں میں حمام' سرکس' رتھوں کی دوڑ کے مقابلے اور جنگجوؤں کے درمیان لڑائی کے مواقع ہوتے تھے' حمام میں جانا محض غسل کرنا اور صفائی ہی نہیں ہوتا تھا' بلکہ یہ لوگوں سے ملنے' بات چیت اور بحث و مباحثہ کی جگہ بھی ہوتی تھی' فلسفی اور عیسائی غسل نہیں کرتے تھے' فلسفی کی گندمی اور الجھی ہوئی داڑھی اس کی پرہیز گاری اور علم کی علامت تھی' امراء کے گھروں میں ان کے اپنے حمام ہوتے تھے کہ جو کئی کمروں پر مشتمل ہوتے تھے' اس کے علاوہ شہر میں عوام کے لئے حمام ہوتے تھے' جہاں معمولی فیس دے کر وہ اس کی سہولتوں سے فائدہ اٹھاتے تھے۔

تفریح کے لئے لوگ تھیٹر میں بھی جایا کرتے تھے' آگے چل کر جب عیسائی مذہب ذرا مقبول ہوا تو اس نے اس پر تنقید کی کہ تھیٹر ڈراموں کے ذریعہ لوگوں کے نفسانی جذبات کو ابھارا جاتا ہے' انہوں نے سرکس کی بھی برائی کی اور جنگجوؤں کی لڑائی کو ظالمانہ کہا' کیونکہ اس میں وہ دو شخص مقابلہ کرتے ہوئے ایک دوسرے کو ہلاک کرنے کی کوشش کرتے تھے اور آخر میں شکست کھانے والا مار دیا جاتا تھا' اس سے معاشرے میں یہ تصور ابھرا کہ زندہ رہنے کا حق صرف اور صرف قوت والے کو ہے' کمزور اور بزدل شخص کے لئے اس دنیا میں کوئی جگہ نہیں ہے۔

اس دنیا میں رہتے ہوئے انسانی مصائب و پریشانیوں کو کیسے کم کیا جائے' یہ وہ سوال ہے کہ جس سے ہر انسانی معاشرہ آج تک دوچار ہے' اس کا حل دو طریقوں سے نکالنے کی کوشش کی گئی ہے' یعنی مذہب اور فلسفہ۔ رومیوں میں آخرت کا تصور شک و شبہہ والا تھا'

وہ موت سے مراد بھی یہ لیتے تھے کہ اس سے انسان کو تمام جھنجھٹوں سے نجات مل جاتی ہے اور وہ حالت سکون میں چلا جاتا ہے۔

رومیوں کے دیوتاؤں سے تعلقات تاجرانہ قسم کے تھے' مثلاً اگر ایک رومی دیوتا جیوپیٹر کو قربانی دیتا تھا' تو وہ امید کرتا تھا کہ اس کے بدلے میں وہ اس کی خواہش پوری کرے گا' بالکل اسی طرح جیسے دو آدمی کے درمیان معاہدے کی پابندی ہوتی ہے' اگر اس میں اسے ناکامی ہوتی تو وہ کہتا کہ "اوہ جیوپیٹر! کیا یہ ایمان داری کا سودا ہے؟" اس طرح سے جب کوئی شخص بیمار ہو کر مر جاتا تو وہ دیوتاؤں پر تنقید کرتے کہ اسے کیوں نہیں بچایا؟ جب ایک مقبول عام شہزادے کی موت ہو گئی تو رومی مجمع نے غصہ میں مندروں کو ڈھا دیا۔ ایک مصنف نے اس پر لکھا کہ "جب دیوتاؤں نے مجھے نہیں بخشا تو میں بھی انہیں نہیں چھوڑوں گا"۔

لوگ اپنے اور دیوتاؤں کے تعلقات کو اسی نظر سے دیکھتے تھے' جیسے ان کے اور امراء و بادشاہوں کے درمیان رشتے ہوا کرتے تھے' وہ نہ تو دیوتاؤں کے سامنے جھکتے تھے نہ ان سے وفاداری کا اعلان کرتے تھے اور نہ ان سے ڈرتے تھے' مثلاً وہ دیوتا سے اس طرح مخاطب ہوتے تھے۔ "مجھے صحت مند کر دو' میں تمہیں قربانی پیش کروں گا"۔

رومی مذہب میں اتنی لچک تھی کہ ہر آدمی اسے اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لیا کرتا تھا۔ یہ روح کی لافانیت پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ اور نہ ہی آخرت کو مانتے تھے' یہ ضرور ہے کہ مرنے پر تجہیز و تکفین بڑے اہتمام سے ہوتی تھی۔ موت ان کے لئے ایک لمبے اور طویل سفر کے بعد آرام کا ذریعہ تھی' مرنے والوں کی یاد منایا کرتے تھے اور ان کی قبروں پر بطور یادگار تحفے چھوڑ آتے تھے۔

مذہب کے علاوہ کئی فلسفیانہ فرقے تھے' جن میں ایپی کیورین اور رواقی خاص طور سے قابل ذکر ہیں' ان کا مقصد تھا کہ انسان میں اس قدر اعتماد پیدا کیا جائے کہ وہ دیوتاؤں کے خوف سے آزاد ہو سکے اور اسے موت کا کوئی ڈر نہیں رہے۔ رواقی یہ درس دیتے تھے کہ انسانی ذہن کو اس بلندی تک لے جایا جائے کہ جہاں اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے اور فرد' تقدیر و حادثات سے علیحدہ ہو کر مسرت حاصل کر سکے۔ ایپی کیورین کا کہنا تھا کہ زندگی کا مقصد خود کو تمام توہمات سے آزاد کرنا ہے۔ یہ دونوں فرقے موت کا مذاق اڑاتے تھے اور

خواہشات سے دور رہنے کی تلقین کرتے تھے' خصوصیت سے دولت اور عزت کی خواہشات سے۔ ایپی کیورین کے مطابق انسان کو جھوٹی خواہشات سے نجات پا کر دانش اور ٹھنڈے پانی کے سہارے زندہ رہنا چاہیے۔ رواقی فلسفی کہتے تھے کہ انسان کو اپنے خاندان اور شہر سے محبت کرنی چاہیے' اگر وہ ان سے غفلت برتے گا تو اسے نامکمل ہونے کا احساس رہے گا۔ دونوں اس بات پر متفق تھے کہ اگر کوئی فرد بیماری یا ظلم کی وجہ سے زندگی کا لطف نہ اٹھا سکے تو اسے خودکشی کر لینی چاہیے۔ یہ اخلاقیات کا درس نہیں دیتے تھے' بلکہ انسان کو خوشی و مسرت کی جانب لے جاتے تھے۔

معاشرے میں فلسفیوں کا اپنا کردار تھا' ان کا رہن' سہن عام لوگوں سے مختلف ہوا کرتا تھا' یہ لوگوں کو برا بھلا کہتے تھے' ان پر تنقید کرتے تھے' انہیں نصیحت کرتے تھے اور جن شہروں میں جاتے' وہاں مشورے دیتے تھے' ان کی مثال سیکولر جماعت کی تھی' لوگ موت کے وقت ان سے بات چیت کرنا چاہتے تھے۔

ہر فلسفی کی تعلیمات کے مطابق فرقے بن گئے تھے' جن کا مقصد حقیقت کی تلاش ہوا کرتا تھا' یہ ایک دوسرے سے مناظرے اور بحث و مباحثے بھی کرتے تھے کہ جن میں لوگ شوق سے شرکت کرتے تھے' مگر ان کا یہ ایمان نہیں تھا کہ ایک دن ان کی سچائی دنیا پر غالب آئے گی' ان کی کوشش ہوتی تھی کہ اپنے فلسفہ کو عملی زندگی میں نافذ کر سکیں' تاکہ اس سے لوگوں کی زندگی بدل جائے۔

معاشرے میں یہ خیال پختہ تھا کہ فلسفہ کی تعلیم کے بغیر کوئی تعلیم یافتہ نہیں کہلا سکتا ہے' اس لئے فلسفہ کا ذوق عام لوگوں میں سرایت کر گیا تھا اور جب کبھی فلسفیانہ لیکچر ہوتے تھے تو لوگ انہیں سننے کے لئے جوق در جوق جمع ہوتے تھے۔ امراء کے گھروں میں فلسفیوں اور مفکروں کے مجسمے اور کتابیں ہوا کرتی تھیں' جو ان کے فلسفیانہ ذوق کی عکاسی کرتی تھیں۔

فلسفیانہ نظریات کے زیراثر خودکشی کو نہ صرف تسلیم کیا جاتا تھا' بلکہ اسے سراہا بھی جاتا تھا' کیونکہ اس کے ذریعہ ایک شخص اپنی تکلیفوں کو ختم کر کے ابدی آرام حاصل کر لیتا تھا' اس سے فلسفی یہ ثابت کرتے تھے کہ انسان کا اپنی زندگی پر کنٹرول ہونا چاہیے' اسے فطرت یا اپنی قوت کا تابع بن کر نہیں رہنا چاہیے۔

دوسرا باب: آخری رومی عہد اور عیسائیت

آخری رومی عہد میں طبقاتی فرق بہت زیادہ ہو گیا تھا اور طبقہ اعلیٰ کے لوگ خود کو نچلے طبقوں سے تعلیم و آداب کے ذریعہ علیحدہ رکھتے تھے' یہ فرق اس قدر بڑھ گیا تھا کہ جسم کی حرکات و سکنات' اشارے یہاں تک کہ سانس لینے کے انداز کو بھی دیکھا جاتا تھا' جسم کی خوب صورتی پر خصوصی توجہ دی جاتی تھی' اس لئے اچھا کھانا' ورزش کرنا اور غسل و صفائی ضروری تھی۔ اچھے' خوب صورت اور سڈول جسم کی نمائش سے لوگ متاثر ہوتے تھے۔

کردار کی بلندی کے لئے ضروری تھا کہ غصہ پر قابو پایا جائے' جنسی تعلقات صرف برابر کے لوگوں سے رکھے جائیں' جنسی اختلاط سے پرہیز کیا جائے' کیونکہ اس سے توانائی ضائع ہو جاتی ہے۔ آخری رومی عہد میں طبقہ اعلیٰ کی خواتین پردے میں رہنے لگی تھیں' جب کہ عام عورت آزاد تھی' تصور یہ تھا کہ عورت محض تفریح کا ذریعہ ہے' اس لئے اسے سیاسی معاملات سے دور رکھا جائے' طلاق آسان تھی۔ اگر عورت دوسرے مرد سے تعلقات قائم کر لیتی تھی تو اس سے شوہر کے سماجی رتبہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔

رومیوں کے آخری عہد میں معاشرے کی اخلاقیات میں تبدیلی آنی شروع ہو گئی تھی مثلاً خودکشی جو باعث وقار عمل تھا' اب اسے ذہنی خرابی کا سبب قرار دیا جانے لگا' جب عیسائیت کی تعلیم پھیلنا شروع ہوئی تو اس نے بھی تبدیلی کے اس عمل کو تیز تیز کیا اور خاص طور سے اس کی زد میں نجی زندگی بھی آ گئی' فرد کا عمل اب مسلسل خدا کی نظر میں رہنے لگا'

قیامت کا خوف دل و دماغ پر حاوی ہو گیا اور مذہبی اتحاد پر زور دیا جانے لگا۔

عیسائی مذہب کے ماننے والوں نے اپنی جماعت کو متحد کیا اور اس اتحاد کی بنیاد ان کے عقائد تھے' جن میں اہم یہ تھے کہ کم سے کم جنسی تعلقات رکھے جائیں' مجرد زندگی سب سے اچھی ہے' کیونکہ اس طرح خود کو دوسروں سے علیحدہ کر لیا جاتا ہے' طلاق کو ختم کر کے شادی کے بندھنوں کو ہمیشہ کے لئے مضبوط کر دیا' طلاق کا تصور یہ تھا کہ ایک آدمی جو اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے' وہ یہ تسلیم کر لیتا ہے کہ وہ ایک عورت کو بھی قابو میں نہیں رکھ سکتا' شادیاں کم عمری میں ہو جایا کرتی تھیں' تاکہ جنسی تعلقات میں خرابی نہ ہو' بیوہ عورت کے لئے ایک ہی راستہ رہ جاتا تھا کہ وہ چرچ کی خدمت کرے۔

آگے چل کر عیسائیت میں جنسی تعلقات سے مکمل پرہیز ہو گیا اور یہ نیک کردار کے لئے لازمی بن گیا۔ چرچ کی راہنمائی کے لئے ضروری تھا کہ فرد تمام تعلقات سے آزاد ہو کر صرف چرچ کے لئے خود کو وقف کر دے' عیسائیوں کے اس طرز عمل سے غیر عیسائیوں میں ان کے لئے عزت و احترام پیدا ہوا' کیونکہ دوسروں کے لئے جنسی تعلقات کو خیرآباد کہنا مشکل تھا' اس وجہ سے عیسائی راہنماؤں کا شمار معاشرے کے طبقہ اعلیٰ میں ہونے لگا۔

رومی مشرکانہ معاشرہ میں موت کے بعد زندگی کا کوئی تصور نہیں تھا' اس لئے وہ کتبوں پر اپنی خواہشات' تعریفیں اور شکائتیں درج کراتے تھے' عیسائیت کے آنے کے بعد مرنے والی کی زندگی پر چرچ کا قبضہ ہو گیا' اس کی تجہیز و تکفین' نذر و نیاز' گناہوں کی معافی سب کے لئے چرچ ذمہ دار ہو گیا' چرچ عیسائیوں کے علاوہ دوسرے عقیدے کے ماننے والوں کے لئے دعا بھی نہیں کرتا' اس لئے لوگوں میں آخرت اور عذاب کا خوف پیدا ہو گیا۔

موت پر چرچ کا اثر اس وقت اور بھی بڑھ گیا کہ جب قبرستان بھی چرچ کے اندر قائم ہونے لگے۔ اب ان قبرستانوں میں وہی لوگ دفن ہونے لگے جو چرچ کی تعلیمات کو ماننے والے تھے۔ مزید فرق یہ بھی آیا کہ غریبوں کے قبرستان علیحدہ ہو گئے اور امراء نے اپنے لئے مقبرے تعمیر کرانا شروع کر دیئے۔ امراء اپنی دولت کے سہارے عیسائی شہیدوں کی قربت میں دفن ہونا چاہتے تھے۔ اس کا فیصلہ چرچ کرتا تھا اور ظاہر ہے کہ اس فیصلہ پر چرچ کے عہدے داروں کی مرضی کو دخل تھا۔ یہ لوگ اکثر امراء کی دولت اور ان کے اثر و رسوخ سے متاثر ہوتے تھے۔ چرچ کا مردوں پر جو تسلط ہوا' اس کی وجہ سے ان کا تعلق اب تک جو

شہری انتظامیہ سے تھا' وہ ختم ہو گیا۔ اور وہ مرنے کے بعد بھی چرچ کے اثر میں رہے۔

عیسائیت کے زیر اثر جو ایک اہم تبدیلی آئی کہ وہ یہ کہ راھبوں (Monks) جن کے معنی ہیں "تنہا رہنے والے" ان کا طبقہ علیحدہ سے پیدا ہوا۔ ان لوگوں نے دنیاوی زندگی کو ترک کر دیا اور غیر آباد علاقوں' بنجر اور ریگستانی زمینوں پر آباد ہو گئے۔ اس طرح یہ صحرائی لوگ یا ہرمٹ (Hermit) کہلانے لگے۔ ان کا خیال تھا کہ شہری اور دنیاوی زندگی انسان کو گناہوں میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اس لئے انہوں نے اس کا حل یہ نکالا کہ شہروں سے دور ویرانوں میں رہا جائے کہ جہاں شہری خرابیاں پہنچ ہی نہ سکیں اور یہ ان سے دور فرشتوں جیسی پاکیزگی کی زندگی گذار سکیں۔ یہ زندگی ان کے نظریہ کے مطابق جنت کی مانند تھی' کہ جس میں خاموشی تھی' سکون تھا' غور و فکر کرنے اور عبادت کے لئے کسی کا دخل نہیں تھا۔ اس زندگی سے متاثر ہو کر قریب کی آبادیوں کے لوگ ان کے مرید ہو گئے اور یہ ان کے مذہبی راہنما بن گئے۔

صحراؤں' بیابانوں یا پہاڑی علاقوں میں خانقاہوں کی تعمیر کی وجہ سے زندگی کے رویوں میں تبدیلی آ گئی اور اس سے شہری زندگی زوال پذیر ہونے لگی۔ اس کی سماجی اور ثقافتی سرگرمیاں کمزور پڑ گئیں۔ امراء دیہاتوں میں راھبوں کے پاس صلاح و مشورے اور دعاؤں کے لئے جانے لگے۔ غریب لوگ کہ جو مالی مشکلات کا شکار رہتے تھے وہ شہروں سے بھاگ کر خانقاہوں کے قریب آباد ہونے لگے اور راھبوں نے ان کے ساتھ مل کر نئی برادری کی تشکیل کی۔ مگر ساتھ ہی ایک تبدیلی یہ آئی کہ امراء جو خانقاہوں میں دعا کے لئے آتے تھے' انہوں نے غریبوں کے بجائے راھبوں کو پیسے دینے شروع کر دئے' تاکہ وہ انہیں دعائیں دیں۔ اس سے غریبوں کو نقصان یہ ہوا کہ وہ خیرات کے لئے چرچ کے محتاج ہو گئے۔ اس طرح چرچ کے ہاتھوں خیرات کا ایک اہم ہتھیار ہاتھ میں آ گیا' جس سے انہوں نے غریبوں کی وفاداری اور اطاعت کو حاصل کیا۔

خانقاہوں نے شہری زندگی کو بڑا نقصان پہنچا۔ نوجوانوں کی ان سرگرمیوں کو جو شہروں میں تھیں' انہیں خانقاہوں میں منتقل کر دیا۔ امراء کے بچے تعلیم و تربیت کے لئے یہاں آنے لگے' جہاں انہیں بائبل کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ادب آداب سکھائے جاتے تھے اور یہ کہا جاتا تھا کہ خدا ان کی ہر حرکت اور ہر عمل کو دیکھ رہا ہے۔ اس طریقہ تعلیم کی وجہ سے

مروجہ تعلیم کہ جس میں خطابت اور فن تقریر پر زور دیا جاتا تھا' وہ ختم ہو گئی۔ اس سے نوجوانوں کی زندگی بدل گئی۔ شہروں کی سرگرمیاں جن میں تھیٹر' فورم اور دوسرے ادارے تھے' وہ زوال پذیر ہو گئے۔ جیسے ہی ان کا آئیڈل راہب ہوا' ان کی زندگی سے جوش و ولولہ ختم ہو گیا' راگ و رنگ اور رقص گناہ بن گئے۔ زندگی کی تمام دلکشی و رعنائی ختم ہو گئی اور اس کی جگہ صحراؤں کی ویرانی' خاموشی اور بنجرپن زندگیوں میں آ گیا۔ شہر کی ہمہ ہمی اور ہنگامے نفرت کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے۔

خانقاہوں اور راہبوں کا جو عروج ہوا' اس نے خاندان کی زندگی کو متاثر کیا' شادی کرنا عیسائیت کے خلاف ہوا' عورت مجسم گناہ بن گئی کہ جس کو ہاتھ لگانے سے پاکیزگی میں خلل پڑ جاتا تھا' اس لئے اس کے جسم کو چھونا آگ کو چھونے کے برابر تھا' اگر شادی کرنا پڑتی تھی تو کوشش ہوتی تھی کہ جنسی تعلقات سے پرہیز کیا جائے' یا یہ کہ محض اولاد پیدا کرنے کے لئے ہوں۔

راہبوں نے شہری زندگی' حمام' سماجی تقریبات اور عورتوں کی زیب و زینت و آرائش پر حملے شروع کر دئے' عورت کا جسم اور لباس ان کے وعظوں کا اہم موضوع ہو گیا۔ وہ غریب عورتیں جو غربت کی وجہ سے اپنا جسم نہیں ڈھانپ سکتی تھیں' وہ گناہ کو دعوت دینے والی ہو گئیں' جب کہ اس سے پہلے ان پر رحم کھایا جاتا تھا۔ وہ عورت کہ جسے ماہواری آ رہی ہو یا حاملہ ہو' اس پر چرچ کی تقریبات میں شرکت کرنے پر پابندی لگ گئی' اس طرح عیسائیت کے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ عورت کا سماجی رتبہ گرتا چلا گیا۔

اگرچہ مغرب میں' مشرقی راہبوں کے برعکس سینٹ آگسٹائن نے شادی اور بچے پیدا کرنے کی تلقین کی' وہ بھی کسی مسرت و خوشی کے لئے نہیں' بلکہ اس کے لئے کہ بچوں کے ذریعہ انسان اس دنیا میں ابدیت حاصل کر لیتا ہے اور اس کا خاندان باقی رہتا ہے' لیکن اس سے مغرب میں بھی عورت کا مقام بلند نہیں ہوا۔ سماجی لحاظ سے وہ کم تر ہی رہی۔

تیسرا باب: قرون وسطیٰ کا زمانہ

قرون وسطیٰ میں مغرب کی زندگی بدل گئی تھی' رومی عہد میں شہروں کی جو اہمیت تھی' اس کی جگہ اب دیہاتوں نے لے لی تھی اور شہروں میں عالیشان عمارتوں کی جگہ کھردری اور بدنما بلڈنگیں تعمیر ہو رہی تھیں' سماجی زندگی کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ طبقاتی رویے بھی بدل رہے تھے۔ برادریوں اور پیشہ ورانہ تنظیموں میں تحفظ کا احساس بڑھ رہا تھا' کیونکہ یہ تحفظ انہیں اپنی برادریوں یا تنظیموں میں ہی مل سکتا تھا' اس لئے مختلف پیشہ ورانہ انجمنیں ظہور میں آ رہی تھیں' جیسے سنگ تراش' یا شیشہ کا کام کرنے والے۔ یہ لوگ اپنے پیشہ پر فخر کرتے تھے اور اپنے فن کو چھپا کر صرف خود تک محدود رکھتے تھے' کیونکہ اس سے ان کی روزی وابستہ تھی۔ اس وقت تک علم کو زبانی یاد کرنا پڑتا تھا' اس لئے یہ سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا تھا' اس وجہ سے خاندانوں اور گھرانوں میں خاص خاص علوم و فنون محدود ہو گئے تھے۔

دست کار' ہنرمند اور تاجر اپنی جماعتیں یا گلڈ بناتے تھے۔ اس کا مقصد ایک تو پیشہ ورانہ اتحاد کو قائم کرنا ہوتا تھا' دوسرے ایک دوسرے کی مدد کرنا۔ اس مقصد کے لئے یہ باقاعدہ عہد لیا کرتے تھے' جو ۲۶ دسمبر کو لیا جاتا تھا۔ یہ دن مشرکانہ دور میں یل دیوتا کا تہوار ہوا کرتا تھا' اس موقع پر شاندار دعوت ہوا کرتی تھی' جس میں لوگ بے تحاشہ کھاتے پیتے تھے۔ اس کے بعد ہر شریک دعوت عہد کیا کرتا تھا کہ وہ اپنی گلڈ کے ساتھ وفادار رہے گا+ اور اس کے اراکین کی مدد کرے گا' اس قسم کی جماعتیں اپنا دفاع خود کیا کرتی تھیں' اگر

مخالفوں سے جنگ کرنا پڑے تو یہ اس کے لئے بھی تیار ہوتی تھیں' اس کے علاوہ یہ بازار میں چیزوں کی قیمتیں بھی مقرر کرتی تھیں۔ یہ گلڈ اس لئے کہلاتی تھیں کہ یہ اپنے فنڈ میں پیسہ جمع کرتی تھیں۔ اس گیلڈ سے' (Geld) جس کے جرمن زبان میں پیسے کے معنی ہیں' یہ گلڈ بن گئیں' ہر گلڈ کا اپنا قانون ہوتا تھا۔

یہودیوں کی برادری اور ان کی گلڈ دوسروں سے علیحدہ ہوا کرتی تھی۔ یہودی اکثر تجارت کرتے تھے۔ ان کی شہروں میں رہائش ہوتی تھی اور ان کے محلے بھی علیحدہ ہوا کرتے تھے۔ یہ اپنی عملی زندگی میں توریت پر عمل کرتے تھے۔ اس پر عمل درآمد کی نگرانی کے لئے بزرگوں کی کونسل ہوتی تھی۔ ربی ان کا مذہبی استاد ہوا کرتا تھا۔ برادری کسی فرد کو نامزد کرتی تھی کہ وہ عیسائیوں سے باہمی مسائل پر گفت و شنید کرے۔ ان کی علیحدگی کی وجہ سے لوگ ان کے طور' طریق اور رہن سہن سے واقف نہیں تھے اور اسی لئے ان میں' ان کے خلاف شک و شبہ کے جذبات ہوا کرتے تھے' اس چیز کی وجہ سے یہودیوں کے خلاف لوگوں کا ردعمل ہوتا تھا۔

قرون وسطیٰ میں کوئی شخص علیحدہ اور تنہا نہیں رہ سکتا تھا' اس کے لئے اسے برادری کی حفاظت کی ضرورت تھی۔ علیحدہ کا مطلب تھا کہ اسے کوئی بھی قتل کر دے اور اس کا پوچھنے والا اور بدلہ لینے والا کوئی نہیں ہوگا' اس لئے ڈاکو اور راہب جو جنگلوں یا ویرانوں میں تنہا رہتے تھے' ان میں یہ قدر مشترک تھی' اگرچہ اپنی ضروریات کے لئے انہیں آبادی سے تعلق قائم کرنا ہی پڑتا تھا' قرون وسطیٰ میں راہبوں کی تعداد میں خاصہ اضافہ ہوا اور یہ جنگلوں میں جڑی بوٹیوں' پھلوں اور خشک روٹی کے سہارے گندا پانی پی کر جھونپڑیوں میں زندگی بسر کرنے کے عادی ہو گئے تھے' مگر ساتھ ہی میں ان کی شہرت' بحیثیت عامل اور حکیم کے ہو گئی کہ جو بیماریاں کا علاج کرتے تھے اور جنوں و بھوتوں سے لوگوں کو چھٹکارا دلاتے تھے۔

قرون وسطیٰ میں لوگ عیسائی خانقاہوں کی برادری اور ان کے انتظام سے متاثر ہو گئے تھے۔ ان خانقاہوں کی خصوصیت یہ تھی کہ یہ خود انحصاری پر عمل کرتے ہوئے اپنی بنیادی ضروریات خود پوری کرتے تھے اور باہر کی دنیا کے محتاج نہیں تھے۔ یہ خانقاہیں اگرچہ آبادیوں سے دور ہوتی تھیں' مگر لوگ یہاں پر اپنی منتیں پوری کرنے اور اپنی ضروریات کے تحت

آتے تھے۔ ان میں زیارت کرنے والے اور رضاکار ہوتے تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت ریاست کس قدر کمزور تھی کہ لوگوں کے مسائل حل کرنے میں ناکام رہی تھی۔ اور اس لئے لوگ غیر ریاستی اداروں پر انحصار کرنے لگے تھے۔ جب لوگوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تو اس وقت یہ مشورہ دیا گیا کہ ایک خانقاہ میں ۴۰۰ سے زیادہ لوگ نہ ہوں' ورنہ اس سے ان کی عبادت و ریاضت متاثر ہو گی۔

ریاست کی کمزوری اور لوگوں کے بڑھتے ہوئے مسائل نے چرچ کے ادارے کو معاشرہ میں اہمیت دے دی۔ اور بدلتے ہوئے تقاضوں کے تحت چرچ نے اپنا کردار بھرپور طریقہ سے ادا کیا۔ مثلاً اس نے غریب لوگوں کے لئے رہائش گاہیں بنائیں کہ جہاں مجرم اور وہ لوگ کہ جن پر جھوٹے الزام لگائے گئے ہوں اور جن کی حفاظت کرنے والا کوئی نہ ہو' وہ لوگ یہاں پر آئیں' اپنا نام لکھوائیں اور چرچ کی رہائش گاہوں میں رہیں' یہاں پر انہیں چرچ کھانا مہیا کرتا تھا' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجرم' قاتل' مظلوم عورتیں اور بھاگے ہوئے غلام یہاں پناہ لینے آنے لگے۔ ایک بار جب وہ چرچ کی پناہ میں آ جاتے تو پھر حکومت ان کے معاملات میں عمل دخل نہیں کرتی تھی' لیکن یہ لوگ ان رہائش گاہوں میں طویل عرصہ رہنے کی وجہ سے ذہنی انتشار کا شکار ہو جاتے تھے' کچھ غم غلط کرنے کے لئے بے انتہا شراب پینے لگتے' کچھ عورتیں جنسی تعلقات قائم کر لیتیں' اگر وہ اس قید سے تنگ کر غلطی سے باہر آ جاتے تو حکومت کے کارندے جو ان کے انتظار میں ہوتے' انہیں وہیں قتل کر دیتے تھے۔ قرون وسطیٰ میں چرچ کی یہ پناہ گاہیں مظلوم اور بے سہارا لوگوں کے لئے آخری سہارا تھا کہ یہاں انہیں انصاف تو نہیں ملتا تھا' مگر زندگی ضرور مل جاتی تھی۔

چرچ کی زمین ہر قسم کے ٹیکسوں سے آزاد تھی اور وہ اس کی آمدن کو خانقاہ کے اخراجات پر صرف کرتے تھے۔ زمین کو کانٹے دار جھاڑیوں کے ذریعہ محفوظ کر لیا جاتا تھا یہ ذاؤں (Zaun) کہلاتی تھیں' آگے چل کر اسی سے لفظ ٹاؤن بنا' اگر کوئی جانور یہاں گھس آتا تھا تو اسے پکڑ کر ذبح کر دیا جاتا تھا۔

چونکہ کھانا انسان کی زندگی میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے' اس لئے قرون وسطیٰ میں کھانا کھانا مذہبی رسم کی طرح تھا' رات کا کھانا دوپہر کے کھانے سے زیادہ اہم سمجھا جاتا تھا' کھانے کا تقدس اس قدر تھا کہ جس شخص کے ساتھ کھانا کھایا ہو' اسے نقصان پہنچانے کا

تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا' سوپ کا رواج ہو چکا تھا اور اسے کھانے سے پہلے استعمال کرتے تھے' ترکاریوں اور مسالوں کا استعمال ہونے لگا تھا' یہ سمجھا جاتا تھا کہ مسالے ہاضمے کے لئے ضروری ہیں' شراب پی کر مدہوش ہو جانے کو برا نہیں مانا جاتا تھا' اس وقت شراب ہی واحد ٹونک تھی' چرچ کے راہب بہت زیادہ کھاتے تھے' اندازہ لگایا گیا کہ ہر راہب تقریباً ۳ سے ۷ پاؤنڈ تک روٹی کھا جاتا تھا' ایک نن ۳ پاؤنڈ تک روٹی کھا لیتی تھی۔

قرون وسطیٰ میں مرغن غذائیں صحت کے لئے مفید سمجھی جاتی تھیں۔ روٹی غذا کا اہم حصہ ہوتی تھی اور دوسری چیزیں جیسے پنیر یا دودھ ثانوی حیثیت رکھتی تھیں۔ روٹی کے ساتھ اشیاء کو (Companaticum) کہتے تھے' جس سے بعد میں کمپنی کا لفظ نکلا جس کے معنی ہوے' روٹی کا ساتھی۔

زیادہ مرغن کھانوں کو ہضم کرنا مشکل تھا۔ اس لئے قیلولہ ضروری ہو گیا تھا۔ زیادہ کھانے کے نتیجہ میں لوگ زور زور سے ڈکاریں لیتے اور ریح خارج کرتے تھے جسے اچھی صحت کی علامت سمجھا جاتا تھا' دعوتوں میں مہمان اس وقت تک مطمئن نہیں ہوتا تھا' جب تک کہ کھانے کی زیادتی سے اس کا پیٹ باہر نہ آ جائے' یہی وجہ تھی کہ لوگ موٹے اور توند والے ہو جاتے تھے۔ زیادہ کھانے کو اس لئے بھی اچھا سمجھا جاتا تھا کیونکہ خیال یہ تھا کہ اس سے جنسی قوت بڑھتی ہے۔

کھانے کو مقدس جانتے ہوئے یہ عقیدہ تھا کہ اگر کھانے پر کوئی دعا کی جائے گی تو ضرور قبول ہو گی۔ اس لئے عام طور سے بادشاہ' ملکہ اور شاہی خاندان کے لئے دعائیں کی جاتی تھیں۔ اس طرح دعوت اور دعا کے ذریعہ شاہی خاندان کو استحکام ملتا تھا۔

سونا چاندی دولت کی علامات تھیں' اور انہیں جمع کرنے کی خواہش ہر شخص کو تھی۔ اس لالچ سے کوئی شخص مبرا نہیں تھا۔ دولت و خزانہ جمع کرنے سے کسی فرد کا سماجی رتبہ بڑھ جاتا تھا۔ افراد کے علاوہ ادارے بھی دولت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے تھے' خاص طور سے چرچ' جس نے مختلف ذریعوں سے دولت اکٹھی کرنا شروع کر دی تھی۔

عورتوں میں زیورات کا شوق بہت بڑھ گیا تھا اور جہیز میں انہیں قیمتی کپڑوں کے ساتھ زیورات و جواہرات ملنے لگے تھے' اس زمانہ میں زیورات عورتوں کی زیبائش کے لئے ضروری تھے' اسلحہ جس پر سونے و چاندی کا کام ہوتا تھا' وہ مردوں کے لئے ضروری ہو گیا تھا'

اس طرح تشدد مرد کی خصوصیت ہو گیا اور دولت عورت سے مخصوص ہو گئی۔

جہاں تک لباس کا تعلق ہے یہ بھاری ہوتے تھے اور پورے جسم کو ڈھانپ لیتے تھے۔ لوگ نہاتے' تیرتے یا سوتے وقت برہنہ ہو جاتے تھے۔ قرون وسطیٰ کے ابتدائی زمانہ میں رومی حمام باقی رہے مگر آہستہ آہستہ ان کا رواج ختم ہو تا گیا اور یہ بیماروں کے لئے مخصوص ہو کر رہ گئے' نہروں اور چشموں میں تیرنا مقبول عام مشغلہ تھا' شارلمن سو درباریوں کے ساتھ تیرتا تھا' کارو لنجین شہزادے ہفتہ کو نہا کر لباس بدلتے تھے۔

رومی دور میں چھوٹے بال رکھنے کا رواج تھا' جب کہ فرانک لمبے بال رکھتے تھے' غلام اور چرچ کے لوگ سر منڈاتے تھے' پادری اور راہب ایک کان سے دوسرے کان تک جھالر کی طرح بال رکھتے تھے' لمبے بال طاقت' آزادی اور جنسی قوت کو ظاہر کرتے تھے' سر منڈانا غلامی کی علامت تھی' چونکہ چرچ والے عیسیٰ کے غلام تھے اس لئے بال منڈاتے تھے' آزاد لڑکوں کے لئے سر منڈانا جرم تھا' عورتیں بال نہیں کاٹتی تھیں۔

عورت کے جسم کو چھونے پر جرمانہ تھا۔ ہاتھ' بازو اور سینہ کو چھونے پر جرمانہ کی رقم بڑھ جاتی تھی' آٹھویں صدی تک بپتسمہ کی رسم پر عورت و مرد برہنہ ہوتے تھے' جیسے کہ آدم و حوا تخلیق کے وقت تھے' مگر بعد میں برہنگی کا تعلق جنسیات سے ہو گیا اور چرچ نے ان صلیبوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا کہ جس میں حضرت عیسیٰ کو برہنگی کی حالت میں عام غلاموں کی طرح مصلوب دکھایا گیا تھا۔ اس کے بعد سے حضرت عیسیٰ صلیب پر کپڑوں پر نظر آنے لگے۔

لوگوں کی عمر کم ہوا کرتی تھی۔ اوسطاً ۳۰ سال اور زیادہ سے زیادہ ۴۵ سال زندہ رہتے تھے' اکثر عورتیں بچے کی پیدائش کے وقت مر جاتی تھیں' بوڑھے لوگ کم نظر آتے تھے' راہب عورتیں ۶۷ سال تک اور راہب مرد ۷۶ سال تک زندہ رہتے تھے' کیونکہ ان کی زندگی منظم ہوتی تھی اور کھانے کو اچھی غذا ملتی تھی' چونکہ شادیاں برادری اور خاندان میں ہوتی تھیں' اس لئے بیماریاں ورثہ میں آ جاتی تھیں' خراب غذا کی وجہ سے لوگوں کے قد چھوٹے ہوتے تھے۔

یہ دستور تھا کہ جنگ میں بالغ مردوں کو قتل کر دیا جاتا تھا' مگر عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جاتا تھا' بچوں میں جنکی عمر ۳ سال تک ہوتی تھی' وہ قتل سے بچ جاتے تھے' اس کے

علاوہ لوگ اپنے بچوں کو خانقاہوں میں بطور نذر پیش کرتے تھے' یعنی اپنی سب سے پیاری چیز کو خدا کے حضور میں دینا۔ غریب لوگ شاید غربت کی وجہ سے بھی یہ کرتے ہوں' کیونکہ اس قسم کے بچوں کی ایک بڑی تعداد چرچ میں جمع ہو گئی تھی۔

معاشرے میں فرد کی کوئی حیثیت نہیں تھی' اس کے سہارے اور حفاظت کے لئے خاندان کا ہونا ضروری تھا' اس لئے ہر فرد اپنی حفاظت کے لئے خاندان کا وفادار ہوا کرتا تھا۔ خاندانی جائداد میں ہر شخص کو حصہ ملتا تھا۔ اس وقت خاندان کا سائز بڑا ہوتا تھا۔ اور اس میں چچا' ماموں' چچازاد بھائی' بہن' بچے' غلام اور ملازم سب آ جاتے تھے رات کو یہ سب آگ کے گرد برہنہ سوتے تھے' شادی کے وقت دلہن کے عوض رقم لی جاتی تھی' جس کا مطلب تھا کہ شوہر باپ سے اس پر حکم چلانے کی طاقت خرید رہا ہے' شادی سے پہلے منگیتر ہونے والی دلہن کو سلیپر اور انگوٹھی دیتا تھا۔ سلیپر خانگی سکون کی علامت تھے تو انگوٹھی کا سرکل ابدیت کی علامت تھا۔ شادی کی رات گذارنے پر شوہر صبح کو بیوی کو تحفہ دیتا تھا۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ بیوی با عصمت تھی۔ اور اس سے جو بچہ ہو گا وہ اس کا ہو گا۔ اس قسم کا تحفہ دوسری یا تیسری شادی پر نہیں دیا جاتا تھا۔ عورت کی پاکیزگی خاندان کے خالص خون کے لئے ضروری تھی' عصمت دری کرنا' ناجائز تعلقات رکھنا' اغواء کرنا' اخلاقی و مذہبی برائیاں تھیں' اگر کوئی کنیز کے ساتھ بھی زبردستی جنسی تعلق قائم کرتا تو اس کی بھی سزا تھی' لیکن جب عورت کی عصمت لٹ جائے تو معاشرہ میں اس کی حیثیت گر جاتی تھی اور اس کا جائداد میں حصہ بھی نہیں رہتا تھا' ایسی عورتوں کے لئے طوائف بننے کے سوا اور کوئی دوسرا راستہ نہیں ہوتا تھا۔ یہ پیشہ اگرچہ ممنوع تھا' مگر عام تھا' اگر کوئی لڑکی کو اغواء کر کے اس کی عصمت دری کرے تو اس شخص کے لئے اس سے شادی لازمی ہو جاتی تھی۔

ناجائز جنسی تعلق پر عورت کو سخت سزا ملتی تھی۔ شوہر کو اس بات کی اجازت تھی کہ وہ اسے قتل کر دے' ورنہ خاندان کے لوگ اس کا گلا گھونٹ کر مار ڈالتے تھے یا زندہ جلا دیتے تھے۔ مرد کو بھی سزا کے طور پر غلام بنا لیا جاتا تھا' مگر اکثر مرد اس سزا سے بچ جاتے تھے اس کا سارا الزام عورت کو دیا جاتا تھا کہ جو اپنے اس عمل سے خون کو خراب کرتی اور اولاد کو زہر آلود کرتی تھی۔ عورت کو اس بات کی اجازت نہیں تھی کہ شوہر کے ساتھ سونے سے انکار کرے' اس صورت میں اس کا گلا گھونٹ کے مارا جا سکتا تھا' کیونکہ یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ

ایسا اس لئے کر رہی ہے کہ اس کے دوسرے سے ناجائز تعلقات ہیں۔

چرچ نے طلاق پر پابندی لگا دی تھی' اس لئے جب امراء دوسری شادی کرنا چاہتے تو کسی نہ کسی بہانے سے بیوی کو قتل کرا دیتے تھے۔ اور اس کے خاندان کو معاوضہ دے کر دوسری شادی کر لیتے تھے۔ ناجائز بیویوں کے علاوہ امراء کنیزیں بھی رکھتے تھے۔ ان سے جو اولاد پیدا ہوتی' وہ غلام ہی رہتی تھی۔ یہ ناجائز بچے کہلاتے تھے' ان کا وراثت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا تھا اور سماجی طور پر یہ کم تر ہوتے تھے۔

محبت کا مطلب ہمیشہ جنسی تعلق سے لیا جاتا تھا۔ اور اسے جذباتی و تباہ کن سمجھا جاتا تھا' اگرچہ محبت ماں باپ اور بچوں کے درمیان بھی ہوا کرتی تھی۔ میاں بیوی کی محبت بھی محبت کو شیطانی جذبہ گردانتے ہوئے کہا جاتا تھا یہ شہوانی جذبات کو ابھارتی ہے جرمن اس کے لئے (libido) کا لفظ استعمال کرتے تھے' جو بعد میں (LIEBE) یعنی "محبت" ہو گیا اور یہ یقین کرتے تھے کہ اس کی ابتداء عورت کی جانب سے ہوتی ہے۔ محبت کا منفی اثر اس لئے بھی تھا کہ طوائفیں اپنے چاہنے والوں کو قابو میں رکھنے کے لئے جادو' ٹونے اور تعویز استعمال کرتی تھیں۔

عورتوں کو کاسموس سے متعلق سمجھا جاتا تھا' کیونکہ اس کی ماہواری کی مدت چاند کی مدت کے برابر یعنی ۲۸ دن ہوتی ہے۔ اس لئے اس کا رشتہ چاند سے ملایا جاتا تھا۔ چاند گرہن لوگوں کو خوف زدہ کر دیتا اور خیال یہ تھا کہ اس کی وجہ سے دنیا ایک جگہ ٹھہر گئی ہے اور عورتیں اپنے بچے نہیں جنیں گیں۔ اس لئے چاند سے سایہ ہٹانے کے لئے تقریبات ہوتی تھیں۔

معاشرے میں عورتوں کے بارے میں یہ تصور تھا کہ یہ پراسرار مخلوق ہوتی ہیں' خود کو چاند کے سپرد کر دیتی ہیں' تاکہ مردوں کے دلوں پر قبضہ کر سکیں۔ عورت بدی و شر کی علامت تھی' لہٰذا اس کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے اور دیوتاؤں کو راضی کرنے کے لئے نئے شادی شدہ جوڑے کو شہد کی بنائی ہوئی شراب پلائی جاتی تھی۔ یہ ذائقہ میں میٹھی اور نشہ والی ہوتی تھی۔ "ہنی مون" کی وجہ یہی پس منظر ہے کہ یہ شراب پی کر شادی شدہ جوڑہ عفریتوں سے نجات پا کر چاند کے کئی چکر دیکھے۔

بچوں کی ذہنی تعلیم تو خانقاہ یا کیتھڈرل میں ہوتی تھی' مگر جسمانی تعلیم یعنی کھیل' شکار

لور جنگی تربیت اس وقت شروع ہوتی تھی کہ جب وہ شیو کرنے کے قابل ہو جاتا تھا۔ اس کے لئے علیحدہ اساتذہ رکھے جاتے تھے۔ بھاگنا' تیرنا' گھڑ سواری کرنا' (اس وقت تک باگ ایجاد نہیں ہوئی تھی)' تلوار' نیزہ بازی اور کلہاڑی کے استعمال کی تربیت دی جاتی تھی۔ تربیت کے بعد استاد شاگرد کے کندھے پر زوردار طریقے سے کوئی چیز مارتا تھا' تاکہ اس کی طاقت اور قوت برداشت کر دیکھا جا سکے۔

شکار کھیلنے کے لئے جنگل تھے' جو (For - estic) یعنی وہ جو آدمی کی پہنچ سے دور ہو' کہلاتے تھے۔ اس سے بعد میں فورست نکلا خیال یہ تھا کہ فطرت کو صرف تشدد کے ذریعہ قابو میں لایا جا سکتا ہے' چونکہ خزاں میں وہ کمزور ہوتی ہے۔ اس لئے یہ موسم شکار کے لئے موزوں وقت ہوتا ہے۔

جانوروں سے نہ صرف خوف کھا جاتا تھا' بلکہ ان کے نام سے بچوں کو منسوب کیا جاتا تھا تاکہ میں ان میں بھی یہی صفات آ جائیں۔ (Bern-hard) یعنی طاقتور ریچھ یا (Wolf-gang) بھیڑیا' جیسا وغیرہ۔ مچھلی پکڑنا پرامن مشغلہ تھا اس لئے شکاری اس کو کم تر سمجھتے تھے اور بعد میں یہ راہبوں کا شوق ہو گیا۔ اس لئے عیسائی معاشرے میں مچھلی کھانا مذہبی روایت بن گیا' جو ہر جمعہ یا لینٹ (Lent) کے موقع پر پکائی جاتی ہے۔ یہ امن کا کھانا تھا جو کہ غیر مسلح شخص حاصل کرتا تھا۔

چوری کو اس وجہ سے برا سمجھا جاتا تھا کیونکہ یہ کسی شخص اور اس کی جائداد کے خلاف ایک عمل تھا۔ آتش زنی کہ جس سے گھر' غلہ کے گودام اور جانوروں کے باڑوں کو نقصان پہنچتا' اسے برادری کے خلاف حملہ خیال کیا جاتا تھا۔ اس لئے ان کے لئے سخت سزائیں مقرر تھیں۔ لوگ حادثاتی آگ سے بچنے کے لئے صلیب یا کوئی اور مذہبی نشان دروازہ پر لگا دیتے تھے۔ لوگوں میں ایسے قصے مشہور تھے کہ کسی ولی کی شبیہہ کی وجہ سے گھر آگ سے محفوظ رہا۔

چونکہ مردوں کی اموات جنگوں' لڑائی جھگڑوں اور تشدد کی وجہ سے ہو جاتی تھی' اس لئے بیوہ عورتوں کی تعداد زیادہ ہوتی تھی' مگر انہیں دوبارہ شادی سے روکا جاتا تھا۔ البتہ انہیں اس کی اجازت تھی کہ وہ اپنا جہیز اپنے پاس رکھ لیں' اس وجہ سے بعض بیوائیں مال دار اور طاقت ور تھیں۔

روزمرہ کی زندگی میں لڑائی' جھگڑے ہوتے رہتے تھے' خانقاہوں میں راهب مرد اور عورتیں دنگا و فساد کرتے تھے' قتل و غارت گری عام تھی' انتقام کی خاطر قتل کرنے کی روایت تھی' جس کی وجہ سے دونوں جانب سے قتل کا سلسلہ طویل عرصہ تک جاری رہتا تھا' قتل کا تعلق مردانگی سے تھا اگر بدلہ نہیں لیا جاتا تو اس کی مردانگی پر حرف آتا تھا' اگرچہ قتل کے بدلہ میں کبھی کبھی قصاص بھی لے لیا جاتا تھا مگر اسے بزدلی سمجھا جاتا تھا۔

گالیوں کے دینے پر جرمانے تھے' عورتوں کے لئے سب سے بڑی گالی انہیں طوائف کہنا تھا' کیونکہ اس سے اس کی جنسی پاکیزگی پر حرف آتا تھا۔ مرد کو غدار' لومڑ یا بدمعاش کہنا' اس کے لئے بے عزتی تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سماج میں کون سی باتیں بری تھیں کیونکہ گالیاں سماج کے رویوں کو ظاہر کرتی ہیں۔ ان سے مرد اور عورت کے بارے میں بھی معاشرے کے رجحانات کا پتہ چلتا ہے۔ غدار سب سے بڑی گالی اس لئے تھی کہ اس سے فرد کی قبیلہ' برادری' قوم' ملک یا بادشاہ سے وفاداری پر زد پڑتی تھی۔ جو اس کے اعلیٰ کردار کے منافی تھا' اس طرح کسی کو کمزور یا کینہ پرور' یا کسی جانور سے تشبیہ دینا بھی اس کے کردار کو خراب کرنا تھا' لہٰذا گالیاں سن کر لوگوں کا طیش میں آنا حق بجانب تھا۔ گالی دینے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اس سے مخالف کے جذبات کو بھڑکایا جائے' یہاں تک کہ وہ تشدد پر آمادہ ہو جائے' بعض اوقات دونوں جانب سے گالیاں دے کر جذبات کو ٹھنڈا کر لیا جاتا تھا۔

اگرچہ موت کو یقینی سمجھا جاتا تھا مگر اسے خوف بھی کھایا جاتا تھا۔ اس لئے زندہ لوگ اس سے علیحدگی چاہتے تھے۔ اس وجہ سے قبرستان آبادیوں سے دور بنائے گئے۔ رومیوں میں یہ دستور تھا کہ وہ اپنے مردوں کو شاہراہوں کے کنارے اور شہر کی فصیل کے پاس دفن کرتے تھے' مگر اب وہ رہائشی علاقوں سے دور دفنائے جانے لگے۔ فرانکش (Franskish) علاقہ میں مردہ کو برہنہ دفن کیا جاتا تھا' اس کے لئے لکڑی یا پتھر کے تابوت بنائے جاتے تھے۔ مردہ کو جلانے کا بھی رواج تھا' تاکہ وہ واپس آکر پریشان نہ کرے۔ قبر پر کانٹے دار جھاڑیاں رکھ دی جاتی تھیں' تاکہ وہ قبر سے نہ نکل سکے۔ مردوں کو قبرستانوں میں دفن کرنے کی وجہ سے یہ روایت پھیل گئی کہ ان کی اپنی علیحدہ دنیا ہوتی ہے' اس لئے مردوں کو کپڑے پہنا کر دفن کرنا شروع ہوا اور ساتھ ہی ان کے استعمال کی اشیاء جیسے پیشہ وروں کے اوزار اور عورتوں کے زیورات ان کے ساتھ دفن کئے جانے لگے' بعض اوقات برتنوں میں کھانا بھی

رکھ دیا جاتا تھا' تاکہ انہیں تکلیف نہ ہو' مردوں کی علیحدہ دنیا تھی کہ جہاں وہ ابدیت کے لئے چلے تھے۔

مردوں کے خوف کی وجہ سے خیال رکھا جاتا تھا کہ ان کی ضروریات پوری ہوں' ان کے رشتہ دار پابندی سے قبروں پر آتے تھے اور وہاں بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔ رات کو قبروں پر پہرہ بھی دیا جاتا تھا' رقص اور گانا بھی ہوتا تھا' تاکہ بدارواح کو بھگایا جائے' اگرچہ قبروں کو دوبارہ سے کھولنا ممنوع تھا' مگر چور' چوری کی غرض سے قبریں کھود ڈالتے تھے۔ اس وقت یہ خیال تھا کہ مردے کی اشیاء چوری کرنے سے اس کو تکلیف ہوتی ہے اور وہ رات کو زندوں کو ستانے آ جاتے ہیں' اگر چور پکڑا جاتا تو اس پر جرمانہ عائد کیا جاتا تھا یا اسے برادری سے خارج کر دیا جاتا تھا۔

آٹھویں صدی میں قبرستان چرچ میں آ گئے۔ بادشاہوں اور شہزادوں کے مقبرے چرچ کے اندر بننے لگے' جب کہ عام لوگ باہر دفن ہوتے تھے۔ چرچ میں دفن ہونے سے نجات کی امید ہوتی تھی' اس رواج کے بعد سے مردہ لوگ زندوں سے آ کر مل گئے۔

اس دوران موت کے بارے میں نئے عقائد پیدا ہوئے' مثلاً یہ کہ جہنم زمین کے اندر نہیں' بلکہ خلاء میں کسی جگہ ہے اور مردے وہاں جا کر دوبارہ واپس نہیں آ سکتے ہیں۔ شیطان کالے رنگ کے ہوتے ہیں' وہ پہلے اپنے ناخنوں سے مردے کو چیرتے پھاڑتے ہیں پھر اسے نگل لیتے ہیں' وغیرہ وغیرہ۔

جو راہب خانقاہوں میں رہتے تھے' ان کو زبانی مناجاتیں یاد کرنا پڑتی تھیں۔ ہر ہفتہ ان مناجاتوں کو دھرانا پڑتا تھا تاکہ یاد رہیں۔ خانقاہ میں راہبوں کے لئے سخت ڈسپلن تھی۔ یہ کھانے سے پہلے اور بعد میں اپنا وقت مطالعہ میں صرف کرتے تھے' جو بھی مہمان خانقاہ میں آتے تھے' ان کے لئے مناجاتوں کو سننا لازمی تھا۔ ہر راہب کم سے کم دو گھنٹہ پڑھائی کے لئے رکھتا تھا۔ دستور یہ تھا کہ کتاب کو زور زور سے پڑھا جائے' اس وقت لکھائی اس طرح سے ہوتی تھی کہ متن میں کوما' فل اسٹاپ نہیں ہوتا تھا اور حرف بھی ملا کر لکھے جاتے تھے' علیحدہ علیحدہ نہیں۔ راہبوں کی نگرانی کے لئے ایک عہدیدار ہوتا تھا جو انہیں مطالعہ میں مصروف دیکھتا تھا اور اس بات کا خیال رکھتا تھا کہ یہ نہ تو آپس میں باتیں کریں اور نہ ہی مطالعہ کے دوران اونگھ جائیں' جو راہب رات کو پڑھنا چاہتے تھے' ان کے لئے روشنی کا

انتظام کیا جاتا تھا۔

اس بات پر زور دیا جاتا تھا کہ راہب خاموشی کو اختیار کریں' کیونکہ خاموشی خیالات کو مجتمع کرنے میں مددگار ہوتی ہے اور داخلی کیفیات کو بڑھاتی ہے۔ اس زمانے میں منشی کا پیشہ وجود میں آیا' جس کا کام لکھنا ہوا کرتا تھا۔ یہ لوگ ایک کمرے میں بیٹھے خاموشی سے لکھنے میں مصروف رہتے تھے۔ مسودہ کو نقل کرنے کے بعد یہ اسے اسٹینڈ پر رکھ دیا کرتے تھے۔ لکھنے کے لئے نرسل کے قلم استعمال کرتے تھے' ان کے لکھنے کا طریقہ یہ تھا کہ لکھنے کے مواد کو یا تو گھٹنوں پر رکھتے تھے یا میز پر۔ لکھنے سے پہلے یہ لائنیں کھینچتے تھے۔ منشی یا کاتب کے علاوہ دوسرے لوگ بھی ہوتے تھے' مثلاً غلطیاں ٹھیک کرنے والے' جلد بنانے والے اور نقاش وغیرہ جو کتاب کی تیاری میں مدد دیتے تھے۔ اور اسے خوب صورت بناتے تھے۔ لکھائی کا کام مشکل تھا کیونکہ اس سے نگاہ پر زور پڑتا تھا' جس سے نگاہ کمزور ہو جاتی تھی' جھک کر لکھنے کی وجہ سے کمر جھک جاتی تھی' کمر اور سینہ میں درد رہنے لگتا تھا۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ایک کاتب کو بائبل لکھنے میں ایک سال کے قریب لگ جاتا تھا۔ کارولنجین زمانے کے کاتبوں نے ۸ ہزار مسودے چھوڑے تھے۔

اگر کتابوں میں فحش جملے یا کافرانہ باتیں آ جاتیں تو انہیں بھی اسی طرح سے نقل کر دیا جاتا تھا' متن میں بہت کم تبدیلی کی جاتی تھی' کتابیں اس لئے مہنگی تھیں کیونکہ ان کی لکھائی کھال پر ہوتی تھی جس کی تیاری میں بڑا وقت صرف ہوتا تھا۔

تنہائی کا راہبوں کی زندگی اور ان کے جذبات پر یہ اثر ہوا کہ انہوں نے زبان کی خوبصورتی پر زور دیا اور خوب صورت شاعری کی۔

قرون وسطی میں راہب خدا اور لوگوں کے درمیان رابطہ بن گیا' کیونکہ یہ لوگ خانقاہوں اور چرچوں میں رہتے تھے۔ چرچوں کے تبرکات کی حفاظت کرتے تھے' مقدس کتابوں کا علم رکھتے تھے' جنسی لذت سے دور ہوتے تھے اور دنیاوی معاملات میں خود کو آلودہ نہیں کرتے تھے۔ اس لئے ان میں روحانیت پیدا ہو گئی تھی۔ اور لوگ انہیں روحانی طاقت کا مرکز سمجھ کر ان سے اپنے مسائل کے لئے رجوع کرتے تھے۔

ان کے مذہبی اثر و رسوخ اور لوگوں کو ان کا معتقد دیکھتے ہوئے امراء نے اپنی زمینوں پر چرچ تعمیر کرانے شروع کر دیئے' وہاں ایسے غلام کو آزاد کر کے یا کسی مزارع کو تربیت دے

کر اسے راہب بنا دیتے تھے' اب اس کا کام یہ ہوتا تھا کہ وہ ان کی نجات کے لئے دعا کرے' اس طرح امراء اور زمین داروں نے چرچ کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کر کے راہبوں کو اپنا نجی ملازم بنا لیا۔

چوتھا باب: فرانس، عہد وسطیٰ میں

فرانسیسی زبان میں (Priver) کے معنی کسی کو سدھانے کے ہیں، لہٰذا نجی زندگی کا مطلب یہ ہوا کہ چار دیواری میں رہنا چونکہ چاردیواری کی زندگی کا تعلق اندر والوں سے ہوتا ہے، دوسروں سے نہیں اس لئے انہیں اس کا حق نہیں کہ وہ اس زندگی کے بارے میں معلومات کریں۔ اس طرح نجی زندگی، پبلک زندگی سے متضاد ہو گئی۔ پبلک کا مطلب اس زندگی اور معاملات سے تھا کہ جن کا تعلق لوگوں سے ہو یا جو لوگوں کی پہنچ میں ہو جو ظاہر ہو اور لوگوں کی نگاہوں کے سامنے ہو، اس طرح اس کا تضاد خفیہ، سربہ مہر اور حفاظت سے ہوا۔

نجی یا پرائیویٹ زندگی چار دیواری میں بند، شاہراہوں، بازاروں اور کھلی جگہوں سے علیحدہ ہوتی تھی، اس لئے جب کوئی فرد ان کھلی جگہوں سے اپنے گھر میں چلا جاتا تو اس کی زندگی نجی ہو جاتی تھی، وہاں اسے یہ حق ہوتا تھا کہ جس طرح چاہے رہے، وہ کچھ کرے کہ جو وہ پبلک میں نہیں کر سکتا تھا، مثلاً اگر کچھ چیزوں پر پبلک میں پابندی تھی تو گھر کی چار دیواری میں وہ اس پابندی کو توڑ سکتا تھا، جیسے شراب کا پینا اور جواء کھیلنا وغیرہ، گھر کی چوکھٹ پر آکر قانون رک جاتا تھا، گھر میں گھر والوں کی روایات پر عمل ہوتا تھا۔

پبلک کی زندگی کو ریاست اور حکومتی ادارے، قانون اور طاقت کے ذریعہ کنٹرول کرتے تھے، گھر میں خاندان کا سربراہ اپنے قوانین اور روایات بناتا تھا اور گھر والوں کو مجبور کرتا تھا کہ

وہ ان پر عمل کریں۔

قرون وسطیٰ میں کھیتوں اور گھروں کو جھاڑیوں اور دیواروں کے ذریعہ علیحدہ کر لیا جاتا تھا' اس طرح اس دائرہ کی زندگی نجی ہو جاتی تھی۔ اس سے باہر پبلک اس تقدس کو برقرار رکھتی تھی۔ جو ان حدود کو توڑتا اس کو سزا دی جاتی تھی۔

لوگ چار دیواری کو حفاظت کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ اس کے اندر قیمتی چیزیں رکھتے تھے' جو لوگ سرپرست سے محروم ہو کر بے گھر ہو جاتے تھے تو ریاست ان کے لئے علیحدہ سے رہائش کا بندوبست کر کے ان کی حفاظت کرتی تھی۔

قرون وسطیٰ کے فرانس میں امراء کے گھر کا جو نقشہ تھا وہ یہ تھا کہ یہ حفاظتی پشتوں سے گھرا ہوا ہو' ہوادار ہو' اس میں بہت ساری کھڑکیاں ہوں اور یہ فواروں' مجسموں اور تصویریوں سے مزین ہو' اس کے برعکس خانقاہوں کی تعمیر اس طرح سے کی جاتی تھی کہ اس میں داخلے کا صرف ایک دروازہ ہوتا تھا' تاکہ آنے والوں پر نظر رکھی جاسکے' اندر آنے کی اجازت سب کو نہ دی جائے' یہ دروازہ وقت پر کھلتا تھا اور وقت پر ہی بند ہوتا تھا۔ راہبوں کے لئے خانقاہ گھر کی مانند تھی' جہاں ان کی ضروریات کی تمام اشیاء ہوتی تھیں' شراب اور کھانا کا ذخیرہ ہوتا تھا' کھانا پکانے کے لئے باورچی خانہ اور روٹی کے لئے بیکری ہوتی تھی' سبزیوں کی کاشت یہ خود کرتے تھے' فرنیچر بھی خود بنایا کرتے تھے' کپڑوں کے لئے علیحدہ کمرہ ہوتا تھا' اس کے علاوہ یہاں پر اصطبل' ورک شاپ اور ملازموں کے گھر ہوتے تھے' اس سے ملحق قبرستان بھی ہوا کرتا تھا۔ ۸۵۲ء میں کوربی (Corbie) کی خانقاہ میں ۱۵۰ راہب رہا کرتے تھے' یہاں سے بیواؤں کو کھانا ملتا تھا اور ۳۰۰ مہمان روز اس کے ہاسٹل میں مہمان ہوا کرتے تھے۔

خانقاہ کا سربراہ ایبٹ (Abbot) ہوتا تھا' جب وہ آتا تو بیٹھے ہوئے لوگ کھڑے ہو کر اس کی تعظیم کرتے تھے۔ اور جب وہ جاتا تو جھک کر آداب بجا لاتے تھے' وہ جب سفر سے واپس آتا تو خانقاہ کے سب لوگ اس کا استقبال کرتے تھے' خانقاہ میں اس کی حیثیت باپ کی طرح ہوا کرتی تھی' کھانا کھاتے وقت اس کی میز دوسروں سے علیحدہ ہوا کرتی تھی۔ اسے بہترین کھانا اور شراب پیش کی جاتی تھی' یہ اس کی برتری کی علامتیں تھیں' اس کے ساتھ ہمیشہ طبیب ہوا کرتا تھا' لہٰذا اس کا تعلق اس طرح روشنی سے تھا' جو وہ دوسروں کو مہیا کرتا

تھا۔

اس کے بعد سینیر راہب آتے تھے۔ نوجوان راہب اپنے سے زیادہ عمر والوں کا ادب کرتے اور ان کے ماتحت ہوتے تھے۔ تمام راہب ساتھ رہتے تھے اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے تھے' ان میں تنہائی کا کوئی تصور نہیں تھا' ان کی زندگی ایک دوسرے کے لئے کھلی ہوتی تھی' یہاں تک کہ جو راہب مرنے کے قریب ہوتا تو اس وقت اس کے ساتھی اس کے اردگرد جمع ہو جاتے اور پھر وہ سب کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا' اس کے بعد اس کے پاس شمعیں اور صلیبیں رکھ دی جاتی تھیں' مرنے پر اس کی تجہیز و تکفین کا انتظام کیا جاتا اور اسے خانقاہ کے قبرستان میں دفن کر دیا جاتا تھا' تاکہ مرنے کے بعد بھی وہ اپنے ساتھیوں کے درمیان میں رہے' اس کی برسی پر خاص کھانا پکایا جاتا تھا اور سب اسے اس طرح کھاتے جیسے ان کا مرا ہوا دوست بھی ان کے ساتھ شریک ہو۔

جو راہب قانون کی خلاف ورزی کرتے تھے' انہیں سزا دی جاتی تھی اور سب سے کڑی سزا قید تنہائی ہوا کرتی تھی' یہاں اسے علیحدہ کھانا دیا جاتا تھا' دعا کے وقت اسے دروازے پر کھڑا رہنا پڑتا تھا' جب اس کا گناہ معاف ہو جاتا تو دوبارہ سے برادری میں داخل کر لیا جاتا تھا۔

خانقاہ میں تمام راہب مل کر کھانا کھاتے تھے' جس سے بھائی چارے کی فضا قائم رہتی تھی' کھاتے وقت یہ قطار میں اپنی مقرر شدہ جگہوں پر بیٹھ جاتے تھے۔ ہر ایک کو روٹی کا ایک ٹکڑا ملتا تھا' کھانا بڑے پیالوں میں آتا تھا' بعد میں خاموشی سے شراب پی جاتی تھی' رات کو ہر ایک اپنے بستر پر علیحدہ سوتا تھا' چونکہ یہ سمجھا جاتا تھا کہ بدروحیں رات میں آتی ہیں' اس لئے رات بھر روشنی جلتی رہتی تھی۔

معاشرے میں امراء اور عام لوگ شادی کرتے تھے اور خاندان و جائداد کے لئے وارث پیدا کرتے تھے۔ شادی کے بعد نوجوان جوڑا علیحدہ ہو جایا کرتے تھے' بیوہ عورتیں بقیہ زندگی گذارنے کے لئے خانقاہ میں چلی جاتی تھیں' بوڑھے باپ یا تو عبادت کے لئے علیحدگی اختیار کر لیتے تھے یا زیارت کے لئے بیت المقدس چلے جاتے تھے۔

۱۱ سے لے کر ۱۴ صدیوں میں فرانس میں ایسے امراء کے خاندانوں میں اضافہ ہوا کہ جن کے پاس دولت تھی' اس وقت کی وجہ زراعت میں ترقی تھی' یہ امراء دیہاتوں میں

قلعوں میں رہتے تھے' جس کی حفاظت کے لئے اردگرد خندق کھدی ہوتی تھی' دروازے تک جانے کے لئے پل ہوتا تھا' اس کی فصیلوں پر مینار ہوتے تھے' جن سے باہر کی جانب دیکھ بھال کی جاتی تھی۔

زمیندار کی حویلی میں مہمانوں کو خوش آمدید کہا جاتا تھا' جو کھانا بچ جاتا تھا وہ مہمانوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا' یہاں پر شرفاء کے لڑکوں کو تربیت دی جاتی تھی اور انہیں روزمرہ کے معمولات کے آداب سکھائے جاتے تھے جو مہمان اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتے تھے انہیں زمیندار اپنے ساتھ میز پر کھانا کھلاتا تھا۔ حویلی میں خاندان کے اراکین کے علاوہ رشتہ داروں اور ملازموں کی بڑی تعداد رہا کرتی تھی۔ زمیندار قانونی بیوی کے علاوہ کئی دوسری عورتوں سے تعلقات رکھتا تھا۔ عورت کا کام محض بچے پیدا کرنا تھا۔ زمیندار کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ اس کا حلقہ اثر زیادہ سے زیادہ بڑا ہو اور دوستوں و مصاحبوں کی بڑی تعداد اس کے اردگرد جمع رہے' اس مقصد کے لئے یہ بڑی بڑی دعوتیں کیا کرتے تھے۔

زمیندار سماجی اور ثقافتی سرگرمیوں پر خصوصی توجہ دیا کرتا تھا' اپنے گھروالوں اور ماتحتوں کی ضروریات پوری کرنا اس کے دائرے میں آتا تھا' وہ شکار کی مہمات پر دوستوں اور ساتھیوں کو لے جاتا' جسمانی ورزش اور جنگ کے مقابلے منعقد کراتا' دعوتیں دیتا' تحفے تحائف سے نوازتا اور خود کو سرپرست سمجھتے ہوئے فیاضی و سخاوت کا مظاہرہ کرتا تاکہ لوگ اس کی عزت کریں۔

کھانے کی میز لمبی اور بڑی ہوتی تھی' جو حویلی کے بڑے ہال میں رکھی ہوتی تھی' کھانا ایک مقدس رسم تھی لہٰذا اس کی تیاری میں ادب آداب کا پورا خیال رکھا جاتا تھا۔

عورت کے بارے میں منفی خیالات تھے۔ گھر کی تمام مصیبتوں اور مشکلات کا ذمہ دار اسے ہی سمجھا جاتا تھا' یہ خیال تھا کہ عورت زہر دے کر مارتی ہے' فتنہ پیدا کرتی ہے' وہ جسمانی کمزوری اور بیماری کی ذمہ دار ہے' اگر زمین دار اپنے بستر پر مردہ پایا جاتا اور اس کے جسم پر داغ نمودار ہو جاتے تو اس کی موت کا الزام مالکن پر آتا۔

اعلیٰ گھرانوں کی عورتوں کی نگرانی کی جاتی تھی' یہ مذہبی تصور تھا کہ چونکہ عورت صنف نازک ہے' اس لئے آسانی سے گناہ کا شکار ہو جاتی ہے' لہٰذا اسے پبلک لائف سے دور علیحدہ گھر میں رکھا جائے اور اس پر نظر رکھی جائے' ضرورت پڑنے پر اسے سزا بھی دی جائے

تو حرج نہیں' اگر وہ بدچلن ہو تو اس کا قتل جائز تھا' چونکہ عورتوں سے ہروقت بدچلنی کا خوف تھا' اس لئے دوسرے مردوں سے انہیں ملنے کی اجازت نہیں تھی' صرف گھر کا سربراہ ان کے درمیان جا سکتا تھا۔

عورتیں فرصت کے وقت میں راتوں کو عبادت کرتی تھیں یا کڑاھی میں مصروف رہتی تھیں۔ گھر کی سجاوٹ و زیبائش عورتوں کا کام تھا۔

عورتوں کے بعد لوگ مردوں سے ڈرتے تھے۔ یہ یقین کیا جاتا تھا کہ مردے رات کو آتے ہیں اور اگر انہیں خوش نہ رکھا جائے تو یہ زندوں کو پریشان کرتے ہیں۔ اس لئے مردوں کی روحوں کو خوش رکھنے اور انہیں ثواب پہنچانے کی خاطر رسومات ادا کی جاتی تھیں' ان کی برسی اہتمام سے منائی جاتی تھی اور ان کی سالگرہ کے موقع پر بھی دعوت دی جاتی تھی' شادی کی طرح جنازے کو لے جانا بھی ایک قسم کا پبلک معاملہ تھا' یہ جلوس کی شکل میں لے جایا جاتا تھا اور مرنے والے کی طرف سے غریبوں میں خیرات تقسیم کی جاتی تھی' آخر میں سب کو کھانا کھلایا جاتا تھا' ماتم کے موقع پر عورتیں روتی اور بین رکتی تھیں۔

زمیندار خاندان شجرے محفوظ رکھتے تھے' ان کا سلسلہ مرد سے شروع ہوتا تھا' عورتوں کی ان شجروں میں کوئی خاص اہمیت نہیں ہوتی تھی۔ زمیندار آپس میں لڑائیاں بھی لڑتے تھے۔ ان لڑائیوں کی اکثر وجوہات عزت و وقار کی ہوتی تھی' ان لڑائیوں میں دونوں جانب سے خاندان کے اراکین و متوسلین اور ملازمین حصہ لیتے تھے اور اس طرح اپنے نام اور خاندان کی عزت کو بحال کرنے کے لئے خون بہاتے تھے۔

قلعہ زمیندار کی طاقت' قوت اور دولت کی علامت ہوا کرتا تھا' اس کی حفاظت کے لئے اس کے اردگرد خندق کھودی جاتی تھی یا اسے دوسری رکاوٹوں کے ذریعے محفوظ کیا جاتا تھا' اس سے اس کی حفاظت بھی ہوتی تھی اور یہ زمیندار کو عام لوگوں سے علیحدہ بھی کرتا تھا۔ عام لوگوں کے لئے اس تک پہنچنے کے لئے کئی رکاوٹوں کو پار کرنا ہوتا تھا' اس سے ان کے ذہن میں زمیندار کی شخصیت کا رعب بیٹھ جاتا تھا' قلعہ کے برجوں پر پہرہ ہوتا تھا' جو ہر آنے جانے والے کی حرکات و سکنات پر نظر رکھتے تھے' اسی طرح دیواریں اندر اور باہر والوں کو جدا کرتی تھیں۔ قلعہ میں ہر شخص کو آنے کی اجازت نہیں تھی' صرف وہی آسکتے تھے کہ جن کی ضرورت ہوتی تھی' رات کے وقت قلعہ کے دروازے مقفل ہو جاتے تھے اور ان کا

رابطہ رات بھر کے لئے باہر سے ٹوٹ جاتا تھا' اسی قلعہ میں مجرموں کے لئے تہہ خانے ہوتے تھے' جہاں علامتی طور پر وہ پستی کے عالم میں قید رہتے تھے' جب کہ ان کے اوپر آزاد لوگوں کا چلنا پھرنا ہوتا تھا۔

قلعہ میں ہر فرد کے لئے مخصوص جگہ ہوتی تھی اور اسے اسی دائرہ میں رہتے ہوئے اپنے فرائض سرانجام دینے ہوتے تھے' جہاں خاص لوگوں کو جانے کی اجازت تھی' وہاں عام لوگوں کا داخلہ بند تھا اور اس کی خلاف ورزی جرم تھی۔

قلعہ کے مختلف حصے زمیندار اور نظام زمین داری کے کسی نہ کسی پہلو کی نشاندہی کرتے تھے' مثلاً برج کو طاقت کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ یہ فتح و کامرانی کو ظاہر کرتا تھا' اس کو کئی قسم کے کاموں میں استعمال کیا جاتا تھا' مثلاً رہائش کے طور پر' تفریح کے لئے' اہم ملاقاتوں کے لئے' حملے کے وقت یہاں جمع ہو کر مدافعت بھی کی جاتی تھی' یہاں پر اہم قیدیوں کو قید میں رکھا جاتا تھا اور یہی وہ خاموش اور تنہائی کی جگہ تھی کہ جہاں دو محبت کرنے والے چپکے' چپکے ملا کرتے تھے۔

قلعے کی ایک اور اہم جگہ باغیچہ ہوا کرتا تھا' جو چاردیواری میں گھرا ہوتا تھا اور خصوصیت کے ساتھ زمیندار کے خاندان کے لئے نجی جگہ بن جاتا تھا' جہاں وہ اپنی ثقافتی سرگرمیوں کا انعقاد کرتے تھے' یہ خفیہ ملاقاتوں کا مرکز بھی ہوا کرتا تھا' جہاں دوسروں کی نظروں سے بچ کر محبت کرنے والے ملا کرتے تھے' اسی جگہ پر عورتوں کو موقع ملتا تھا کہ اپنی خوبصورتی اور رعنائی دکھائیں۔ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوں' ان ملاقاتوں کی وجہ سے یہ جاسوسی کی بھی جگہ تھی کہ ہر فرد پر نظر رکھی جائے اور اس کے بارے میں مالک یا آقا کو اطلاع دی جائے۔

باغیچہ میں خاص طور سے کھانا کھایا جاتا تھا' دوپہر کو یہیں قیلولہ بھی کیا جاتا تھا اور اس کو خوبصورت رکھنے کے لئے کوشش کی جاتی کہ اس میں قسم قسم کے درخت اور پھولوں کے پودے ہوں' فوارے ہوں اور خوش الحان پرندے ہوں' اس طرح باغیچہ فصیلوں میں گھرے اور برجوں پر پہرہ دیتے ہوئے فوجیوں کے درمیان سکون و اطمینان کی جگہ تھی کہ جہاں نیچر کو انسان کے قریب لایا جاتا تھا اور اس کے جذبات کو خوشی و مسرت سے دوچار کیا جاتا تھا۔

قلعہ میں اور امراء کے گھروں میں ہال کی بڑی اہمیت ہوتی تھی' کیونکہ یہ ہال اجتماعی

سرگرمیوں کا مرکز ہوا کرتے تھے۔ ہال ہی میں بادشاہ اور امراء درباریوں' مصاحبوں اور مہمانوں سے ملتے تھے' یہیں پر بیٹھ کر وہ اہم فیصلے کیا کرتے تھے اور یہیں پر ان کے پاس باہر کی خبریں آیا کرتی تھیں' ہال ہی دعوتوں کے لئے مخصوص تھے اور اس جگہ امراء تفریح کی محفلیں منعقد کرتے تھے' اس لئے ہال ایک کھلی جگہ ہوا کرتا تھا' کشادہ وسیع چوڑا اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کی گنجائش رکھنے والا۔ اس کے دروازے بھی کئی ہوتے تھے' تاکہ لوگوں کو آنے جانے میں آسانی رہے' اگر ایک دروازہ ہوتا تھا تو بلند و بالا اور بڑا ہوتا تھا' جب لوگوں کو اجازت عام ملتی تھی تو دروازے کھول دیئے جاتے تھے' تاکہ لوگ بغیر روک ٹوک کے آئیں۔

ہال میں جمع ہونے کے بعد لوگوں اور بادشاہ یا امیر کے درمیان ایک رشتہ قائم ہو جاتا تھا اور اس سے وفاداری کے جذبات کو تقویت ملتی تھی' اس لئے بادشاہ اور امراء ہال میں وقتاً" فوقتاً" سرعام لوگوں کو بلاتے رہتے تھے۔

ہال کے بعد کمرے یا چیمبرز ہوتے تھے جو نجی سرگرمیوں کے مرکز تھے' چونکہ بادشاہ اور امراء خود کو کبھی تنہا نہیں دیکھنا چاہتے تھے' اس لئے وہ کمروں میں بھی خاص خاص مصاحبوں کے درمیان گھرے رہتے تھے' یہاں وہ کہانیاں سنتے' موسیقی سے لطف اندوز ہوتے یا کوئی کھیل کھیلتے' جو لوگ بیمار اور زخمی ہوتے' ان کے لئے بھی کمرے مخصوص تھے' جہاں وہ تنہائی میں آرام کرتے تھے' خصوصیت سے عورتوں کے کمرے علیحدہ ہوتے تھے' تاکہ انہیں حفاظت کے ساتھ علیحدہ رکھا جائے۔

خواب گاہ میں بستر نجی زندگی میں اہم کردار ادا کرتا تھا' کیونکہ یہاں آکر وہ سب سے علیحدہ ہو جاتا تھا' مگر یہ بستر سازشوں' بے وفائیوں اور دھوکہ بازی کی بھی جگہ تھی' خاص طور سے عورتوں کے لئے۔ بستروں اور رات کے فرق کو قائم کرتا تھا' یہاں پر سازشوں کا انکشاف بھی ہوتا تھا اور جرائم کے منصوبے بھی بنائے جاتے تھے۔

قرون وسطی میں دوسروں کی نجی زندگی کے بارے میں لوگوں کو احساس ہو رہا تھا کہ نجی معاملات میں دخل نہ دیا جائے' اس کا اندازہ ان ہدایات سے ہوتا ہے کہ جو اس زمانہ میں معاشرے میں دی جا رہی تھیں' مثلاً جب کسی کے مکان کے سامنے سے گذرو تو اس کے اندر جھانک کر مت دیکھو' اور نہ ہی اس کے اردگرد چکر لگاؤ' کیونکہ لوگ اپنے گھروں میں جو

کچھ بھی کرتے ہیں یہ ان کا نجی معاملہ ہے اور باہر والوں کو یہ حق نہیں کہ ان کے معاملات میں دخل دیں' یہ بھی ہدایت تھی کہ اگر کسی کے گھر میں داخل ہونا چاہو تو پہلے کھٹکاؤ یا آواز دو' تاکہ مہمان کی آمد کی اطلاع ہو جائے اور وہ اس سے ملنے کے لئے تیار ہو جائیں۔

گھروں میں مشکل سے ایسی جگہیں ہوتی تھیں کہ جہاں چھپ کر کسی سے ملا جائے' اس لئے اگر کسی سے ملنا ملانا ہو یا راز کی باتیں کرنا ہوں تو اس کے لئے باقاعدہ کوئی اہتمام کرنا پڑتا تھا۔

اگرچہ خاندان میں جھگڑے اور سازشیں ہوتی رہتی تھیں' مگر اس کے باوجود باہر کے خطرات اس قدر تھے کہ وہ انہیں آپس میں متحد رکھنے پر مجبور کرتے تھے۔ عورت ویسے تو معاشرے میں پس ماندہ تھی' مگر ماں کا رتبہ قابل عزت تھا اور اس کا دودھ فرد کی زندگی میں اہم کردار ادا کرتا تھا۔ خصوصیت سے جب خاندان کی عزت و وقار کا سوال آ جاتا تھا تو اس وقت ماں کا دودھ اس کی علامت بن جاتا تھا اور اس کی خاطر بڑی سی بڑی قربانی دینے سے گریز نہیں کیا جاتا تھا۔

خاندان میں آباؤ اجداد پر بھی فخر کیا جاتا تھا اور ان کے کارناموں کو یاد کر کے خاندان کی روح کو تازہ رکھا جاتا تھا۔ خاندان کا سربراہ باپ ہوتا تھا جس کے احکامات کی تعمیل سب پر فرض تھی۔ خاندان میں نہ صرف بیٹے' بیٹیاں آتے تھے بلکہ بھتیجے اور بھتیجیاں بھی اس کا حصہ ہوتی تھیں اور انہیں اپنے بچوں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ خاندان میں بچوں کو اس وقت عزت ملتی تھی جب وہ جائز اولاد ہوں' ورنہ ان کا سماجی مرتبہ کچھ نہ ہوا کرتا تھا۔

معاشرے میں عورتوں کا درجہ انتہائی گرا ہوا تھا۔ یہ خیال کیا جاتا تھا کہ اس کی وجہ سے مرد گناہوں کی طرف مائل ہوتے ہیں' لہٰذا یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اعمال اور حرکات و سکنات سے لوگوں کے جذبات کو نہ بھڑکائے۔ اس مقصد کے لئے عورتوں کی ہدایت کے لئے کئی کتابیں لکھی گئیں' ان کی تربیت کے وقت ان کے دماغ میں یہ بٹھایا گیا تھا کہ وہ برائی پیدا کرتی ہیں' لہٰذا اسے دور کرنے کے لئے بھی انہیں ہی خود کو تیار کرنا ہوگا' سب سے بڑی بات یہ کہ عورت کا جسم مردوں کی نگاہوں کا مرکز رہتا تھا' لہٰذا اسے اپنے جسم پر کنٹرول کرنا ہوگا' وہ اس طرح کہ اس کی چال ڈھال میں ذرا بھی دلکشی و رعنائی نہ ہو' جسم کے اعضا اور ان کی حرکات نظروں سے محفوظ رہے' اس کے علاوہ اسے ان تمام عادات سے

پرہیز کرنا ہوگا کہ جس کی وجہ سے لوگ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں' مثلاً اسے زور زور سے ہنسنا نہیں چاہئے اور نہ ہی زور سے بولنا چاہئے' جب وہ چلے تو احتیاط سے ادھر ادھر دیکھے کہ لوگ اس کے جسم پر تو نظریں نہیں جمائے ہوئے ہیں۔

عورت کو چاہیے کہ کھانے میں احتیاط کرے۔ زیادہ نہ کھائے' وقت پہ سوئے اور صبح جلدی اٹھنے کی عادت ڈالے' اس کو ہدایت دی گئی کہ جب وہ چرچ میں عبادت کے لئے جائے تو عبادت کے وقت کچھوے کی طرح اپنی گردن لمبی کرکے ادھر ادھر نہ دیکھے' بلکہ اپنی پیٹھ کو سیدھا کرکے بیٹھے اور صرف سامنے دیکھے۔

لباس کے سلسلے میں بھی عورت کو ہدایات دی گئی ہیں' اس کو منع کیا گیا ہے کہ وہ نئے فیشن اختیار نہ کرے' زیب و زینت و آرائش سے پرہیز کرے اور اگر میک اپ کرنا ہی پڑے تو چھپ کر تھوڑا بہت کر لیا کرے' اسے چاہئے کہ وہ اپنے بال یا جسم کا کوئی حصہ نمایاں نہ کرے۔

بیوی کے لئے یہ ہدایت تھی کہ کھانے کے بعد وہ فوراً خواب گاہ میں چلی جائے اور وہاں عبادت و مراقبہ کرے اور مطالعہ میں مصروف ہو جائے' اس کے لئے کسی مذہبی کتاب کا مطالعہ ضروری ہے' چاہے وہ صرف دو صفحے ہی کیوں نہ پڑھے۔

قرون وسطیٰ میں جب مردم شماری کی جاتی تھی تو خاندان یا سربراہ کے بجائے چولہوں کی تعداد لکھی جاتی تھی۔ یہ پرانی روایت تھی۔ رومی مورخ ہیوریس جب ایک چھوٹے گاؤں کا لکھتا ہے تو اس کی آبادی کے بارے میں بتاتا ہے کہ وہاں ۵ چولہے تھے۔ اس طرح بعد کے آنے والے مورخوں نے بھی چولہوں کی تعداد سے آبادی کا اندازہ لگایا۔ ۱۱۰۰ء میں نارمنڈی میں چولہوں کی تعداد پر ٹیکس لگایا گیا' بعد میں چمنی کے ذریعہ آبادی کا تعین کیا جانے لگا' مثلاً ایک چمنی ۳ افراد کے برابر تسلیم کی جاتی تھی۔ چولہے کی آبادی میں ماں باپ اور غیر شادی شدہ بچے آ جاتے تھے۔

سردی کی وجہ سے گھروں کو گرم رکھا جاتا تھا۔ امراء کے گھروں میں باورچی خانہ سب سے زیادہ گرم جگہ ہوا کرتی تھی' اس کے بعد مالک یا آقا کی خواب گاہ۔ دست کار سردیوں میں کمروں کو گرم کرکے وہیں کام کیا کرتے تھے۔ اور یہیں پر ان کے بیوی' بچے بھی رہتے تھے۔ اسٹو(Stove) سب سے پہلے جرمنی میں آیا اور پھر فرانس میں۔ اس نے کمروں کو گرم

رکھنے میں اہم حصہ لیا' اس کے علاوہ انگیٹھیوں کا بھی رواج تھا اور ان میں آسانی یہ تھی کہ انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا جا سکتا تھا۔

قرون وسطیٰ میں لوگوں کو اور خاص طور سے امراء کو اپنی دولت اور شان دکھانے کا بڑا شوق تھا اور اس کا اظہار وہ گھوڑوں' تلواروں اور سونے و چاندی کے برتنوں کے ذریعہ کرتے تھے۔

ریناں سال کے زمانہ میں لوگ اس بات کو پسند کرتے تھے کہ مل کر رہیں۔ اس لئے مذہبی جماعتیں' اسکول کے طالب علم اور سپاہی و فوجی اور معذور افراد اپنی جماعتیں بنا کر مل کر رہتے تھے۔ اس زمانہ میں خاندان بھی بڑے ہوا کرتے تھے کہ جن میں قریبی رشتہ دار آ جاتے تھے' اگرچہ اس کی تہہ میں یہ خواہش بھی ابھر رہی تھی کہ ایک فرد کی اپنی نجی زندگی ہونی چاہئے۔

ایک زمیندار کے گھرانہ میں تنہائی کا کوئی تصور نہیں تھا' شاید سوائے موت کے وقت۔ گھر میں سب لوگ ساتھ رہتے تھے' چاہے وہ کام میں مصروف ہوں یا فرصت کے وقت میں آرام کر رہے ہوں' کوئی شخص تنہا سفر کرنے کی ہمت بھی نہیں کرتا تھا' اگر وہ دوست اور رشتہ دار سفر میں ساتھی نہ ہوتے تو سفر کے دوران ایک رسم کے ذریعہ اجنبی لوگوں کو منہ بولے بھائی بنا کر ان سے رشتہ قائم کر لیتے تھے' یہ رشتہ سفر کے دوران قائم رہتا تھا اور جیسے ہی منزل پر پہونچتے یہ ختم ہو جاتا تھا۔ لڑکے جب ۶ سال کے ہوتے تو عورتوں سے علیحدہ ہو کر باہر کی دنیا جو مردوں کی تھی' وہاں آ جاتے تھے۔ اس کے بعد یہ مصاحبوں' سپاہیوں اور ملازموں میں گھرے رہتے تھے' اگر وہ نائٹ بن جاتا تو پھر اس کی کمپنی نائٹ ساتھیوں کے ساتھ ہو جاتی' جو ہر وقت لڑائی' جنگ اور مقابلوں میں مصروف رہ کر اپنی بہادری اور جنگجوئی ثابت کرتے رہتے تھے۔

جاگیردارانہ معاشرے میں زندگی کے دو پہلو ہوا کرتے تھے۔ گھر میں خاندان کے اراکین' ملازموں اور دوستوں کے ساتھ وقت گذارنا۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرنا' وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہر معاملہ میں شریک رہتے تھے' ان کے درمیان کوئی راز نہیں ہوا کرتا تھا' اس لئے ان کی زندگی اجتماعی دوستوں کی زندگی تھی' جو ایک دوسرے سے قریبی تعلقات رکھتے تھے۔ ان حالات میں اگر ایک شخص اس اجتماعی زندگی اور دائرے سے نکل کر

اپنی انفرادیت پر زور دیتا' تو ایسا شخص یا تو باغی کہلاتا تھا اور یا اپنی انفرادیت اور علیحدگی کی جرات پر اسے ہیرو بنا دیا جاتا تھا' لیکن اس صورت میں وہ معاشرے سے کٹ کر اجنبی ہو جاتا تھا۔ یہ ایک لحاظ سے اس کے لئے خطرناک بھی تھا' کیونکہ اب اسے اپنی حفاظت تنہا کرنی پڑتی تھی اور اس کی زندگی خطروں میں گھر جاتی تھی' کیونکہ اب اس کی حمایت کرنے والا کوئی نہیں رہا تھا' اس کی مثال اس زمانہ میں ایسی ہی تھی کہ کوئی شخص بغیر حفاظتی دستہ کے سفر کرے اور خود کو ڈاکوؤں اور لٹیروں کے سامنے بطور شکار پیش کر دے' ایک ایسے شخص کو لوٹنا ہر ایک کے لئے جائز ہو جاتا تھا۔

مجرم اور سنیاسی ایسے لوگ تھے' جو معاشرے کی منظم اور حفاظتی زندگی کو چھوڑ کر جنگلوں اور دلدلوں میں پناہ لیتے تھے' کیونکہ یہ علاقے غیر آباد اور غیر محفوظ ہوا کرتے تھے۔ اس طرح سے وہ شہروں اور دیہاتوں کے منظم علاقوں سے خود کو علیحدہ کر لیتے تھے۔ مجرم اگرچہ جنگلوں میں پناہ تو لے لیتے تھے' مگر انہیں ہر وقت مہذب اور قانونی معاشرہ سے ڈر اور خوف رہتا تھا اور وہ ان سے دور رہتے ہوئے اور زیادہ تنہا ہوتے جاتے تھے۔ سنیاسی یہ سمجھتے تھے کہ غور و فکر اور عبادت کے لئے تنہائی اور خاموشی ضروری ہے اور یہ صرف آبادیوں سے دور میسر آ سکتی ہے۔ اس لئے وہ دوردراز کے علاقوں میں جا کر عبادات میں مصروف ہو جاتے تھے' یہاں تک کہ تنہائی ان کی زندگی کے لئے لازمی ہو جاتی تھی۔

لیکن اسی زمانے میں معاشی تبدیلیوں اور زراعتی پیداوار کی وجہ سے لوگوں کی زندگی میں تبدیلی آ رہی تھی۔ شہروں کی آبادی بڑھ رہی تھی اور اس کے ساتھ شاہراہیں اور نئی نئی منڈیاں وجود میں آ رہی تھیں' جس کی وجہ سے روزمرہ کی زندگی میں پیسہ کی اہمیت بڑھتی جا رہی تھی۔ کمانا چاہئے کا لفظ بہت زیادہ استعمال ہونے لگا تھا' بٹوے یا پرس کے الفاظ زبان میں داخل ہو گئے تھے' معاشی زندگی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ماہر آثار قدیمہ کو اس عہد کی چابیاں ملی ہیں' جو اس بات کو ظاہر کرتی ہیں کہ لوگ اپنی قیمتی اشیاء کو حفاظت کے لئے تالوں میں بند رکھتے ہوں گے۔ یہ بھی اندازہ لگایا گیا ہے کہ گھرانوں میں "بچت" کا احساس ہو گیا تھا' تاکہ خاندان کے لوگ کسی کے رحم و کرم پر نہ ہوں اور ان میں پیسہ کی موجودگی کی وجہ سے حفاظت کا احساس ہو۔

پیسہ حاصل کرنے کے لئے لوگ جو ذرائع اختیار کرتے تھے' ان میں سے ایک یہ تھا کہ

ناقابل کاشت زمینوں کو قابل کاشت بنا کر وہاں آباد ہوا جائے یا پھر شہروں میں تجارت کی جائے۔ ذاتی خواہشات اور نجی دولت نے لوگوں میں انفرادیت کے جذبات کو پیدا کیا' اس کا اظہار کئی طرح سے ہوا' مثلاً اس دور میں مختلف افراد کے جو مجسمے بنائے گئے' ان میں چہرے اور اس کے تاثرات پر زیادہ زور دیا گیا تاکہ انفرادیت کو ابھارا جا سکے' اس طرح اپنی تصویر یا پورٹریٹ بنوانے کا شوق بہت ہو گیا تھا' تاکہ اس کے ذریعہ اپنی شخصیت کو محفوظ کیا جائے۔

مذہبی طور پر بھی لوگوں کے خیالات و نظریات میں تبدیلی آ رہی تھی۔ اب نجات کے لئے صرف عبادات اور رسومات ہی ضروری نہیں رہی تھیں' بلکہ یہ ضروری ہو گیا تھا کہ اسے خود آگہی حاصل کرنا چاہئے اور یہ اس وقت حاصل ہو سکتی ہے کہ جب خود دیکھا جائے' اس لئے لوگوں کے ذہن میں یہ خیال جڑ گیا کہ گناہ عمل میں نہیں ہوتا' بلکہ نیت میں ہوتا ہے۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان خود کو تلاش کرے' اپنی ذات کی اس تلاش میں انسان انفرادیت پسند ہوتا چلا گیا' جس نے بالاخر اجتماعیت کو کمزور کر دیا۔

نجات کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ اسے محبت اور عقل کے راستے سے حاصل کیا جائے' اس کا اثر یہ ہوا کہ شادی مرد اور عورت کی مرضی سے ہونے لگی اور خاندان کے اثرات اس میں کم ہوتے چلے گئے۔

بارھویں صدی میں انفرادیت کے رجحان کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں سوانح عمری لکھنے کا رواج ہوا' تاکہ ذاتی اور انفرادی زندگی کو بیان کیا جائے' اس میں فرد مرکز ہوتا تھا۔ اور زندگی کے واقعات اس کے گرد گھومتے تھے۔ ان سوانح عمریوں کی ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ ان کے ذریعہ فرد جھوٹ کے ذریعہ اپنی نجی زندگی کی حفاظت کرتا تھا اور انہیں لوگوں کے سامنے فاش نہیں کرتا تھا۔ اس لئے جب سوانح عمری میں جدید زمانے میں اپنے بارے میں صاف صاف لکھا گیا تو لوگوں کو اس صاف گوئی سے زبردست دھچکہ لگا' کیونکہ معاشرہ ہر شخص کو اپنی قائم شدہ روایات اور قدروں میں دیکھنا چاہتا ہے اور اسی بنا پر اس کے بارے میں اچھے یا برے ہونے کا فیصلہ کرتا ہے۔

قرون وسطیٰ میں انسان نے اپنے جسم کو رہائش گاہ سے تشبیہ دی اور اس کے مختلف حصوں کا گھر کی عمارت کی طرح تجزیہ کیا۔ جسم کا اندرونی حصہ گھر کا نجی حصہ تھا' جب کہ باہر کا کھلا حصہ جنگل کی طرح تھا۔ اندرونی حصہ کو دربار بھی کہا جاتا تھا' کیونکہ یہ ایک محل اور

خانقاہ کی مانند تھا۔ اس میں اعضائے رئیسہ اور خدمت کرنے والے اعضاء جدا جدا تھے۔ ان کے درمیان ایک دیوار حائل تھی' اسی طرح جیسے کہ امراء اور عوام کے درمیان حد فاصل ہوتی تھی اور دونوں کے درمیان فرق کو قائم رکھتی تھی' جس طرح امراء کے گھروں میں خدمت گار کھانا اور پانی فراہم کرتے تھے' یہی کام جسم کے نچلے حصہ کا تھا کہ جو جسم کے اوپر کے اعضاء کو غذا فراہم کرتا تھا' چونکہ جسم کے اوپر کا حصہ اعلیٰ و برتر تھا' اس لئے اس میں دانش مندی اور طاقت تھی۔

جسم کو ایک قلعہ کی مانند بھی سمجھا جاتا تھا' جس پر بیرونی حملے ہوتے رہتے تھے' تاکہ اس کو کمزور کیا جائے' اس لئے اس کی حفاظت کے لئے مزاحمت ضروری تھی۔ اس مقصد کے لئے جسم کے کھلے حصہ کی حفاظت کی جاتی تھی' جیسے آنکھیں' منہ' کان اور نتھنے۔ یہ حفاظت ایسی ہی تھی کہ جیسے خانقاہ یا محل کے دروازہ پر پہرہ کے ذریعہ اس کو محفوظ رکھا جاتا تھا۔

عورت کے جسم کے بارے میں یہ خیال تھا کہ یہ بھی مرد کی طرح ہی ہے' اگرچہ اس کے جنسی اعضاء مختلف ہیں اور یہ اس لئے کہ پیدائش کے وقت یہ الٹ پلٹ ہو کر بگڑ گئے ہیں' اس وجہ سے عورت میں نقص رہ گیا اور اس جسمانی نقص کی وجہ سے مرد کے مقابلے میں اس میں برائی اور بدی کے جذبات زیادہ ہیں۔ اس کا جسم چونکہ خواہشات کو ابھارتا ہے' اس لئے اس کی حفاظت کی ضرورت ہے اور یہ کام مرد ہی کر سکتا ہے' عورت مرد کے بغیر نہیں رہ سکتی ہے' اس لئے عورت کے لئے لازمی ہے کہ وہ مرد کے ماتحت رہے۔ مرد کو چاہیے کہ وہ عورت کو بغیر حفاظت کے گھر میں نہ چھوڑے اور گھر میں بھی اسے اس طرح رکھے کہ اس کا جسم کپڑوں میں چھپا رہے۔

عورت کا کام ہے کہ وہ خاموشی سے پاکیزگی کی زندگی گذارے اور خود اپنے پر قابو رکھتے ہوئے گناہوں میں ملوث نہ ہو۔ عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی پیدائش سے لے کر موت تک مرد کے ماتحت رہتے ہوئے اس کے احکامات پر عمل کرے' اسے اس بات کا احساس ہونا چاہئے کہ اس کا جسم خطرناک ہے یہ خود' خطرے میں رہتا ہے اور خطرہ پیدا بھی کرتا ہے' اس کی وجہ سے مرد اپنی عزت کھو سکتا ہے۔

عورت کے جسم کے اس نظریہ نے معاشرہ میں اس کے مقام کو سماجی طور پر گرا دیا اور

وہ مرد کے مقابلے میں کمزور اور کم تر ہو گئی' اپنی جسمانی ساخت کی وجہ سے اسے مورد الزام ٹھہرایا گیا کہ وہ گناہ کی طرف مائل ہوتی ہے اور مرد کو اپنی طرف راغب کرتی ہے' لہٰذا اس صورت میں مرد کو یہ حق مل گیا کہ وہ اس کو اپنے ماتحت رکھے' اس پر نظر رکھے اور اس کی نگرانی کرے۔

انسانی جسم کے بارے میں یہ خیال بھی تھا کہ چونکہ اس میں روح رہتی ہے' اس لئے اس کی عزت کرنی چاہئے' اس لئے بھی جسم کی حفاظت کرنی چاہئے' کیونکہ اسے قیامت کے دن اسی حالت میں اٹھنا ہو گا۔ مذہبی نظریات نے بھی جسم کے بارے میں کئی قسم کے تصورات کو پیدا کیا' مثلاً جسم پر قابو پانا اس لئے ضروری ہے کہ اس کے ذریعہ ہی انسان میں خواہشات پیدا ہوتی ہیں اور یہ خواہشات اسے گمراہی کی طرف لے جاتی ہیں۔ ایک دوسرے نظریہ کے مطابق جسم پر نہ صرف قابو رکھنا چاہئے' بلکہ اسے اذیت اور تکلیف دینا چاہئے' چنانچہ بہت سے مذہبی فرقوں میں جسم کو اذیت دینا نیکی اور پرہیزگاری کے لئے ضروری سمجھا جاتا تھا۔

جسم کی اس آگہی کے نتیجہ میں جسمانی صفائی کا تصور پیدا ہوا اور گیارھویں و بارھویں صدیوں میں امراء کے گھروں اور خانقاہوں میں غسل خانے قائم ہونے لگے' اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ طبقہ اعلیٰ کے لوگوں میں نہانے کا رواج ہو گیا تھا' جسم کی صفائی کے بارے میں اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ دعوتوں میں کھانے سے پہلے مہمانوں کے ہاتھ دھلائے جانے لگے تھے۔ لوگ جسم پر مالش بھی کرانے لگے تھے' یہ کام اکثر عورتیں کیا کرتی تھیں۔

لیکن اسی زمانے میں کچھ مذہبی مصلحین ایسے تھے' جو جسم پر مالش کرانے اور نہانے کو گناہ کی جانب پہلا قدم تصور کرتے تھے' کیونکہ ان دونوں صورتوں میں جسم جذبات کو بھڑکا کر گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور خاص طور سے اگر مرد اور عورت ساتھ میں نہاتے ہوں۔

پیرس میں تیرھویں صدی میں ۳۶ حمام تھے اور یہاں نہانے کے سلسلہ میں سخت قوانین بنائے گئے تھے۔ پبلک حمام میں نہانے کو برا سمجھا جاتا تھا' بعض خانقاہوں میں سال میں دو مرتبہ غسل کو ضروری خیال کیا جاتا تھا انہیں اس طرح نہانے کی اجازت تھی کہ وہ اپنے جسم کو برہنہ نہیں کریں گے۔

مرد اور عورت دونوں کے لئے ضروری تھا کہ جسم کے تمام حصوں کو کپڑوں کے تلے

چھپائے رکھیں' سوائے ان کے کہ جو چلنے پھرنے اور کام کاج کے لئے ضروری ہوں' لباس میں بھی یہ شرط تھی کہ عورت اور مرد کے لباسوں میں فرق ہونا چاہئے' اگر یہ فرق نہیں ہوتا تھا تو اس کو برا کہا جاتا تھا' اگرچہ عورتوں کے لئے ضروری تھا کہ وہ لمبے بال رکھیں' مگر ساتھ ہی میں ان سے یہ بھی کہا جاتا تھا کہ وہ انہیں ظاہر نہ کریں' بلکہ انہیں گوندھ کو چٹیا بنالیں' کیونکہ کھلے بال گناہ کو دعوت دیتے ہیں' اگر چٹیا نہ بنائیں تو پھر انہیں اسکارف کے نیچے چھپا کر رکھیں۔

جسم کے بعد دوسرے مرحلہ روح کا تھا کہ اسے کیسے گناہوں سے دور پاک و صاف رکھا جائے' ایک طریقہ تو یہ تھا کہ روح کی پاکیزگی کے لئے عبادت اور ریاضت ضروری ہے' کیونکہ یہ روح کو کثافت و آلودگی سے بچاتی ہے' عہد جاگیرداری کی ابتداء میں لوگوں نے روح کی نجات کا کام راہبوں کے سپرد کر دیا تھا' جو کہ خانقاہوں میں پاکیزگی کی زندگی گذارتے تھے۔ اس لئے وہ خدا کے قریب تھے اور ان کی دعاؤں میں اثر ہوتا تھا' اس وقت راہبوں سے زندہ اور مردہ لوگوں کی نجات کے لئے دعا کرائی جاتی تھی۔

لوگوں کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ حکمران کو بھی عبادت گذار ہونا چاہئے کیونکہ اگر وہ گناہ گار ہے تو خدا کا قہراس پر اور رعایاں دونوں پر آئے گا۔

اس دور میں بھی کچھ ایسے افراد تھے کہ جنہوں نے راہبوں کی مذہبی اجارہ داری کے خلاف آواز اٹھائی اور کہا کہ خدا اور بندے کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں اور وہ ذاتی طور پر نجات کے لئے خدا سے رجوع کر سکتے ہیں' چونکہ ان لوگوں نے راہبوں کی مراعات پر حملہ کیا تھا' اس لئے انہیں فوراً گمراہ کہا گیا اور معاشرے کے نظم و ضبط کو برقرار رکھنے کے لئے انہیں سزائیں دی گئیں۔ چرچ نے اپنے اثر و رسوخ کو بڑھانے اور مستحکم کرنے کی غرض سے لوگوں کو چھوٹے چھوٹے کلیسائی حلقوں میں تقسیم کر دیا' ان حلقوں کے راہب لوگوں کی نگرانی کرتے تھے اور دیکھتے تھے کہ کون عبادت کے لئے آیا ہے اور کون نہیں۔ اس طرح سے علاقے کے ہر فرد کے لئے کلیسا میں اور عبادت میں شریک ہونا لازمی ہو گیا۔

اسی زمانے میں چرچ نے یہ فیصلہ کیا کہ ہر فرد سال میں دو مرتبہ اپنے گناہوں کا اعتراف کیا کرے۔ یہ اعتراف وہ علیحدگی میں پادری کی موجودگی میں کیا کرتا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کے دلوں میں جو شبہات ہیں' وہ ظاہر ہوں' تاکہ چرچ کے خلاف جذبات کو دبایا

جائے' لیکن ان اعتراضات نے نجی زندگی اور نجی معاملات کو پبلک کے دائرے سے نکال کر فرد اور پادری کے درمیان کر دیا۔

ان حالات میں نجی زندگی کا ایک نیا تصور ابھرا' اور وہ یہ تھا کہ لوگوں کے درمیان رہتے ہوئے اپنی ذات کا تشخص اور اس کی پہچان۔ اس لئے فرد اپنے گھر' کمرے اور جاگیر پر رہتے ہوئے خود کو دوسروں سے علیحدہ سمجھنے لگا اور اس نے اس شعور کو پیدا کیا کہ اس کی اپنی غلطیاں' گناہ' خواب' خواہشات' جذبات اور راز یہ سب اس کے اپنے ہیں اور اس کی ذات سے وابستہ ہیں' اسے یہ حق ہے کہ وہ انہیں اپنی ذات تک رکھے یا دوسروں کو اس میں شامل کرے۔

یہی وجہ تھی کہ لوگوں میں اپنی سوانح حیات' یادداشتیں اور اعترافات لکھنے کی ابتداء ہوئی' کیونکہ یہ وہ ذریعہ تھا کہ جس کو استعمال کرتے ہوئے وہ اپنی شخصیت کو ابھار کر باہر لا سکتے تھے اور اپنی دلی خواہشات و جذبات کا اظہار کر سکتے تھے۔ ان یادداشتوں میں نجی باتیں ہوتی تھیں اور اکثر وہ باتیں کہ جن سے عام لوگوں کو کوئی دلچسپی نہیں ہوتی تھیں' مگر ان میں وہ باتیں بھی ہوتی تھیں جن سے خاندان کی ذہنی ترقی کے بارے میں پتہ چلتا تھا اور ان رجحانات کے بارے میں کہ جو معاشرے میں عام تھے۔ ان یادداشتوں میں شادی بیاہ کے بارے میں' بچوں کے نام رکھنے' گھوڑوں کے علاج اور تجارتی اشیاء کی خرید و فروخت کے بارے میں اطلاعات ہوتی تھیں۔ ان یادداشتوں کو نجی سمجھتے ہوئے' لکھنے والا اپنی پسند کی باتیں لکھتا تھا اور آنے والی نسلوں کو نصیحتیں کرتا تھا۔

انفرادیت کی علامات یادداشتوں کے علاوہ مصوری بھی تھی' کیونکہ اس زمانہ میں امراء کی پورٹریٹ بننا شروع ہوئیں' صرف یہی نہیں بلکہ مصوروں نے بھی اپنی ذاتی پورٹریٹ بنائیں اور ان کے ذریعہ امراء کی خصوصیات کو نمایاں کیا۔

یہ اس رجحان کی نشان دہی کر رہے تھے کہ فرد کس طرح سے معاشرہ اور جماعتوں سے نکل کر اپنی شناخت کو ابھار رہا تھا اور اب وہ اجتماعی پسند و ناپسندیدگی کی جگہ اپنی پسند و ناپسند کو اہمیت دے رہا تھا۔ فرد کی معاشرتی بندشوں سے یہ نجات اس لئے اہم تھی کہ اس کے بعد ہی اس میں یہ جرات آئی کہ وہ ان روایات کو چیلنج کرے کہ جنہوں نے اسے گرفتار کرکے اجتماعیت میں گم کر دیا تھا۔

معاشرے میں فرد کی شناخت اس کے کپڑوں سے ہوتی تھی' جس معاشرہ میں کپڑے پہنے جاتے ہیں' وہاں برہنہ آدمی کو پاگل و جنگلی کہا جاتا ہے' کیونکہ یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ برہنگی انسان کو تہذیب و تمدن کے ابتدائی دو رمیں لے جاتی ہے' لہٰذا برہنگی کو چھپانے کے لئے انسان نے لباس کو اختیار کیا اور اس نے انسان کو مختلف بھیسوں میں پیش کیا' کیونکہ ہر شخص اپنے سماجی رتبہ کے حساب سے لباس استعمال کرتا تھا اور اس کے لباس میں اس کی شخصیت کا پتہ چل جاتا تھا۔ لہٰذا عزت انسان کی نہیں' اس کے لباس کی ہو گئی' جس کا لباس قیمتی اور شاندار ہوتا تھا اسی قدر وہ معزز اور باوقار ہو جاتا تھا' یہی وجہ تھی کہ ہر پیشے اور مرتبے کے لوگوں نے اپنا خاص لباس رائج کیا۔ تاجر' حکمران' یہودی' طوائف اور راہب ان کے خاص لباس ہوتے تھے کہ جن سے ان کی پہچان ہوتی تھی۔

لباس کے استعمال سے اس رجحان کا اندازہ ہوتا ہے کہ جسم کو چھپا کر رکھا جائے اور برہنگی کے عالم میں کسی کو نہ دکھایا جائے' یہ رجحان پندرھویں صدی تک جاری رہا' مگر اس کے بعد انسان میں جسم کو جاننے کا شوق ہوا اور اس کا اظہار اس دور کی تصاویر سے ہوتا ہے' مثلاً ۱۴۹۳ء میں جرمنی کے مصور ڈورر (Duerer) نے ایک برہنہ عورت کی تصویر بنائی ہے کہ جس نے لباس تو اتار دیا ہے' مگر ٹھنڈے فرش کی جگہ پر سلیپر پہنے ہوئے ہے۔ ایک اور مصور فان ایک (Van Eyck) نے آدم و حوا کو برہنہ اور عام انسانوں کے روپ میں پیش کیا ہے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جو چیز راز بن جائے تو پھر انسان میں یہ شدید جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس راز کو دریافت کیا جائے اور اس کے بارے میں پوری پوری آگہی حاصل کی جائے' لہٰذا چرچ کی ممانعت کے باوجود مصور انسانی جسم کی تصاویر بنا کر اس راز کو فاش کر رہے تھے۔

اس زمانہ میں آہستہ' آہستہ یہ احساس بھی ہوا کہ انسانی جسم کی صفائی ضروری ہے۔ یہ خیال اس وجہ سے آیا کہ نہ نہانے کی وجہ سے اور صفائی نہ کرنے کی وجہ سے کپڑوں اور بالوں میں جوئیں پڑ جاتی تھیں اور ان سے نجات پانے کے لئے بیویاں اور خادمائیں مردوں کی جوئیں نکال نکال کر مارتی تھیں' جوئیں پڑنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جب لوگ سفر کرتے تھے تو بغیر نہائے ہوئے اور بغیر کپڑے بدلے ہوئے کئی کئی ہفتے گذار دیتے تھے' اس

کی وجہ سے جوئیں کپڑوں اور بالوں میں پڑ جاتی تھیں' اس لئے زائرین پر زور دیا جاتا تھا کہ وہ اپنے جسم کو روزانہ صاف کریں' کیونکہ ان کی جوئیں دوسروں کو بھی لگ جائیں گی' اگر صفائی کا خیال نہیں رکھا جاتا تھا تو ڈاڑھی صاف کرانا پڑتی تھی اور یہ بحری سفر کرنے والوں کے لئے بے عزتی کی بات تھی۔

غریبوں کے برعکس امراء اپنے جسم کو صاف رکھنے پر خاص توجہ دیتے تھے' جسم کی اس صفائی کی وجہ سے یہ بات قابل تعریف سمجھی جانے لگی کہ مردانہ خوبصورتی کے لئے ورزش اور کھیل ضروری ہیں اور جسم کو مالش کے ذریعہ خوب صورت اور دلکش رکھنا چاہئے' مردوں میں ڈاڑھی اور بالوں کے فیشن بدلتے رہتے تھے۔

عورتیں مردوں کے مقابلے میں جسمانی آرائش پر زیادہ توجہ دیتی تھیں' اس مقصد کے لئے مختلف قسم کی کریمیں' پاؤڈرز اور بالوں کے رنگنے کے رنگ ہوا کرتے تھے۔

قرون وسطیٰ کے آخری زمانے میں چرچ نے نہانے کے خلاف بولنا چھوڑ دیا تھا' کیونکہ چرچ کے مخالفانہ رویہ کے باوجود لوگوں میں نہانے کا رواج ہو رہا تھا' خصوصیت سے بھاپ سے نہانا ایک عیاشی تھا۔ یہ دستور ہو گیا تھا کہ جب کوئی مہمان گھر میں آتا تو سب سے پہلے پانی گرم کر کے اس سے نہانے کو کہا جاتا تھا' نہانے کا طریقہ یہ تھا کہ ٹب میں گرم پانی ڈال کر اس میں خوش بو دار جڑی بوٹیاں اور گلاب کے پھولوں کی پتیاں ڈال دیتے تھے۔ امراء اور دولت مندوں کے ساتھ ساتھ عام لوگوں میں بھی نہانے کا شوق ہو گیا تھا۔ شہروں اور دیہاتوں میں پبلک کے لئے حمام قائم ہونے لگے تھے' جہاں لوگ مل کر نہاتے تھے' اس کے علاوہ معدنیات کے چشموں پر صحت کے لئے نہانے جاتے تھے۔ یہ حمام نہانے کے ساتھ ساتھ سماجی سرگرمیوں کے مرکز بن گئے تھے۔ ایک اطالوی سیاح نے جرمنی کے حماموں کے بارے میں اپنے مشاہدات کو اس طرح سے قلم بند کیا ہے:-

> لوگوں کے گھروں میں نجی حمام ہوتے ہیں' جس میں عورتیں و مرد نہاتے ہیں۔ ایک معمولی جالی کے ذریعہ حمام کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے' لیکن ساتھ میں بہت ساری کھڑکیوں اور کھلی جگہوں کے ذریعہ ان دو حصوں کے درمیان رابطہ ہوتا ہے' تاکہ لوگ ایک دوسرے سے بات کر سکیں' اور مشروبات سے لطف اندوز ہو سکیں۔

یہ لوگ یعنی عورتیں و مرد آپس میں باتیں کرتے ہیں اور یک دوسرے کو چھوتے ہیں' مگر یہ ان کا دستور ہے۔ نہانے کے حوض کے اوپر گیلریاں ہیں کہ جہاں لوگ بیٹھے نہانے والوں کو دیکھتے ہیں اور باتیں کرتے ہیں' ہر شخص کو حمام میں آنے کی اجازت ہے اور یہ اجازت ہے کہ وہ باتیں کرے' جوا کھیلے اور اپنے تفکرات کو مٹائے' عورتیں نہانے کے لئے برہنہ ہو کر آتی ہیں اور ہر شخص انہیں دیکھ سکتا ہے' لیکن دروازے پر نہ تو کوئی پہریدار ہے اور نہ ہی اندر آنے پر پابندی ہے' مگر یہ بات بھی ہے کہ کوئی نہ تو بدتمیزی کرتا ہے اور نہ ہی اس سے جنسی شہوت پیدا ہوتی ہے' اکثر لوگ پانی کے اندر ہی کھانا کھاتے ہیں' اس مقصد کے لئے پانی میں میزیں لگی ہوئی ہیں' اکثر تماشہ دیکھنے والے بھی نہانے والوں کے ساتھ کھانے میں شریک ہو جاتے ہیں۔

پانچواں باب: نشاۃ ثانیہ

ایک وقت تک برادری کی اجتماعیت کی وجہ سے فرد کی کوئی حیثیت نہیں ہوا کرتی تھی۔ اور اس کی شناخت اس کی برادری ہوا کرتی تھی' اگر اسے کچھ کرنا ہوتا تھا تو وہ اپنی برادری کے لئے کرتا تھا' لیکن پندرھویں اور سولھویں صدیوں میں حالات بدلنے کی وجہ سے فرد اور برادری کے رشتوں میں تبدیلی آئی' جب برادری ہی میں افراد کے پاس دولت آئی تو اس کی وجہ سے ان کے درمیان غیر مساوی درجہ بندی شروع ہو گئی۔ فرد برادری کا رکن تو رہا' مگر اس کا مرتبہ اس کی دولت کی بنیاد پر متعین ہونے لگا اور اس کی وجہ سے لوگوں کے درمیان محبت و نفرت اور رشک و حسد کے جذبات پیدا ہوئے' جن افراد کے پاس دولت اور معاشی ذرائع تھے' انہوں نے ان کی بنیاد پر اپنی عزت اور آن بان کو قائم کیا اور خود کو دوسروں سے ممتاز کرنا شروع کر دیا۔

ان حالات سماجی رتبہ رکھنے والے افراد میں اپنی عزت کو برقرار رکھنے کا جذبہ شدت کے ساتھ ابھرا اور کوشش کی جانے لگی کہ ہر حالت میں اس کی حفاظت کی جائے اور اس کے ذریعہ معاشرے میں اپنے بلند مقام اور نام کو باقی رکھا جائے' اس سے یہ رجحان پیدا ہوا کہ فرد کی اصلیت و حقیقت کو نظرانداز کر دیا جائے اور دیکھا یہ جائے کہ اس کی ظاہری علامات کیا ہیں' اس لئے ان رویوں کی خاطر وہ کام کیا گیا جو فرد کی شخصیت کی ظاہری حالت کو ابھارے' اس مقصد کے لئے فیاضی و سخاوت و فضول خرچی کو استعمال کیا گیا' تا کہ شان و

شوکت کا اظہار کر کے دوسروں کو مرعوب کیا جائے' اسی زمانہ میں ذاتی عزت کی حفاظت کے لئے ڈوئل کی روایت پڑی' اگرچہ فرانس میں لوئی (Xiii) تیرہ نے اس بات کی کوشش کی کہ ان فضولیات کو روکا جائے' اس نے ڈوئل پر پابندی لگائی۔ فضول خرچی کی مذمت کی اور اصلاحات کے ذریعہ لوگوں کے رویوں کو بدلنا چاہا' مگر ان تمام باتوں میں اسے زیادہ کامیابی نہیں ہوئی۔

اس وقت معاشرہ' دربار' عوام اور متوسط طبقوں میں بٹا ہوا تھا' چھوٹے امراء چرچ کے عہدے دار اور پیشہ ور متوسط طبقے کے اہم عناصر تھے' جو پڑھے لکھے اور مہذب تھے' مگر اس وقت تک کم تعداد میں ہونے کی وجہ سے معاشرے میں ان کا اثر و رسوخ زیادہ نہیں تھا' اپنی بقاء کے لئے انہیں بادشاہ اور امراء کے ساتھ رہنا پڑتا تھا۔

نشاۃ ثانیہ کے عہد سے انسانی رویوں میں جو تبدیلی آنا شروع ہوئی' وہ جدید زمانہ تک جاری رہی' اس میں لوگ اپنے اور دوسروں کے بارے میں فرق کرنے لگے' مثلاً اب یہ تہذیب کے خلاف ہو گیا کہ دوسروں کو کھاتے ہوئے دیکھا جائے' لوگوں نے ایک دوسرے سے بغل گیر ہونا چھوڑ دیا' عزت کے طور پر عورتوں کے ہاتھوں کو بوسہ دینا ختم ہو گیا اور نہ ہی اب عورتوں کے سامنے جھکنے کا رواج رہا' ان علامات کی جگہ اب دوسرے اشارے اور حرکات آ گئیں' اب یہ مہذب خیال کیا جانے لگا کہ لوگوں کو آواز دے کر یا زور زور سے چلا کر اپنی طرف متوجہ کرنے کے بجائے خاموشی سے گذر جایا جائے' تاکہ دوسرے لوگ متوجہ نہ ہوں' اب شادی شدہ جوڑے کو لوگوں کے سامنے بستر پر نہیں لٹایا جاتا تھا' یہ ایک نجی معاملہ ہو گیا تھا' بچہ کی پیدائش پر مرد سرجن کے بجائے دایہ عورت بچہ پیدا کرنے میں مدد دینے لگی تھیں۔

ذات کی پہچان کا اظہار نجی ڈائریوں' خطوط' اعترافات اور سوانح حیات میں ہونے لگا تھا' ان کا اولین مقصد یہ تھا کہ خود کو جانا جائے۔ ان میں جو خیالات درج ہوتے تھے' وہ خاندان کے افراد یا دوستوں کے لئے ہوتے تھے' غیروں کے لئے نہیں' اس لئے لوگ اپنی ذاتی زندگی اور ذاتی حالات کے بارے میں بلا جھجک لکھا کرتے تھے' چونکہ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ دوسرے لوگ ان کی ذاتی زندگی کے بارے میں جانیں یا ان کے نجی معاملات سے واقف ہوں' اس لئے اکثر یہ وصیت کر جاتے تھے کہ ان کے مرنے کے بعد ان کے خطوط' ڈائریاں

اور یادداشتوں کو ضائع کر دیا جائے' ان میں سے جو تحریریں ضائع ہونے سے بچ گئی ہیں' آج یہ اس دور کی تاریخ کا ایک اہم ماخذ ہیں۔

قرون وسطیٰ میں امراء اکیلے نہیں رہتے تھے' انہیں ہمیشہ مصاحبوں اور دوستوں کی ضرورت رہتی تھی' ان کے لئے تنہائی ایک عذاب تھی کہ جسے وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے' اس کی وجہ یہ تھی کہ تنہائی میں ان کی اپنی کوئی شخصیت نہیں رہتی تھی' یہ اسی وقت ابھرتی اور نمایاں ہوتی تھی' جب وہ لوگوں کے مجمع میں گھرے ہوئے ہوں اور سارے لوگوں کی توجہ کا مرکز ہوں' ان کے ہر اشارے پر لوگ ان کے احکامات بجا لانے کے لئے بے چین ہوں' ایک ایسا شخص تنہائی کا کس طرح سے عادی ہو سکتا ہے' جہاں نہ کوئی اس کی بات سننے والا ہو اور نہ اس کی خدمت کرنے والا ہو' اس لئے تنہائی کو اذیت سمجھا جاتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ سنیاسی اسے خاص طور پر اختیار کرتے تھے' تاکہ تنہا رہ کر خود کو اذیت میں مبتلا کریں' اور ساتھ ہی میں غور و خوص و مراقبہ کی عادت ڈالیں۔

سترہویں صدی میں اس رجحان میں تبدیلی آئی اور معاشرے میں تنہائی کی اہمیت کا احساس ہونے لگا اور یہ کہ نہ صرف خود بلکہ اپنے دوستوں اور خاندان والوں کو بھی اس احساس میں شریک کیا گیا۔ تنہائی کا اثر مکانوں کی تعمیر اور آرائش پر بھی ہوا' ابتداء میں مکان کی آرائش پر زیادہ زور نہیں دیا جاتا تھا' اگر بہت زیادہ تکلف کیا جاتا تو دیواروں پر پردے ڈالے جاتے تھے' مکان کے فرنیچر میں بستر' صندوق اور چند کرسیاں ہوتی تھیں' مگر اب مکان کی تعمیر میں تبدیلی آئی' کمروں کا سائز کم کر دیا گیا اور ہر کمرہ مخصوص کام کے لئے مقرر ہوا' اسی طرح ہر کمرے کے لئے علیحدہ راستے بنائے گئے' تاکہ دوسرے لوگ متاثر نہ ہوں' مکانوں کی آرائش پر زور دیا جانے لگا' تصویریں اور فرنیچر فرد کی تنہائی کے ساتھی ہو گئے۔

اس عہد میں متوسط طبقے نے سماجی اور ثقافتی تبدیلیوں میں اہم کردار ادا کیا اور ان کی سرگرمیوں کی وجہ سے ایک نیا کلچر پیدا ہوا کہ جس میں بات چیت' خط و کتابت اور زور سے پڑھنے کا رواج ہوا' یہ روایت انتہائی مقبول ہوئی کہ لوگ مرد دوستوں یا کسی خاتون کی خواب گاہ میں جمع ہوتے تھے اور یہاں سیاست' ادب' ثقافت' تاریخ' مصوری غرض ہر موضوع پر گفتگو کرتے تھے' جب گفتگو کم ہو جاتی تھی تو کھیل ہوتے تھے یا گانے یا موسیقی کی محفلیں جمتی تھی' ان محفلوں کے نتیجہ میں دانشوروں کی انجمنیں اور اکیڈمیاں پیدا ہوئیں' جہاں

علمی و ادبی بحث و مباحثہ ہوتے تھے' مشہور عورتیں خاص طور سے اپنے گھروں پر دانشوروں اور آرسٹوں کو کسی خاص دن بلایا کرتی تھیں' جہاں یہ لوگ کھل کر اپنے خیالا کا اظہار کرتے تھے' ان محفلوں نے معاشرہ کی ذہنی ترقی میں حصہ لیا اور دانشوروں و مفکرین کو معاشرہ نے اہم مقام دینا شروع کر دیا۔

نشاۃ ثانیہ میں نجی زندگی کو فروغ دینے میں تین عناصر نے حصہ لیا۔ ریاست' پروٹسٹنٹ اور کاؤنٹر کیتھولک تحریکیں۔ ان دو مذہبی تحریکوں نے انفرادی دین داری لور پرہیزگاری پر زور دیا اور اپنے عقائد کے فروغ کے لئے تعلیم پر خصوصی توجہ دی' ریاست نے ایسے قوانین بنائے کہ جن کے ذریعہ نجی آزادی پر زور دیا گیا' لہٰذا ان تینوں عناصر نے مل کر فرد کو جماعت اور برادری کی قید سے آزاد کر دیا۔

اس دور میں فرد کی شخصیت کے وہ پہلو ابھر کر سامنے آئے' ایک وہ پہلو کہ جس میں وہ لوگوں کے سامنے ہوتا تھا اور وہ کام کرتا تھا کہ جو سب کے سامنے کئے جا سکتے تھے' اس کی دوسری زندگی نجی ہوتی تھی' جس میں وہ اپنے جذبات کے اظہار میں آزاد تھا' جیسے کہ وہ تنہائی میں اپنے برہنہ جسم کو دیکھ سکتا تھا' لہٰذا زندگی پبلک اور نجی حیثیتوں میں بٹ گئی تھی۔ یہ عمل ہی کے ذریعہ نہیں بلکہ الفاظ کے ذریعہ بھی تھا' ان دونوں میں فرق کو قائم رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنے جسم اور الفاظ دونوں پر کنٹرول رکھے' یہ کنٹرول پبلک میں قانونی اور سماجی روایت کے ذریعہ تھا' جب کہ نجی زندگی میں فرد کی اپنی پسندیدگی اور ناپسندیدگی پر تھا۔

لوگ جن علاقوں اور محلوں میں رہتے تھے تو قربت کی وجہ سے ان میں بھائی چارہ قائم ہو جاتا تھا' اگرچہ لوگ گھروں کے دروازے بند رکھتے تھے اور گھر کے اندر گانا بجانا' گفتگو اور کھیل سب ہی کچھ ہوتے تھے' مگر باہر وہ سب کی نظروں کے سامنے ہونے کی وجہ سے یہ کوشش کرتے تھے کہ ان کے رویے اور عمل سے ان کی شہرت خراب نہ ہو' کیونکہ باہر لوگ ان کے ہر کام پر کڑی نظر رکھتے تھے' چاہے وہ اسے پسند کرتے ہوں یا نہیں' مگر وہ اس بات پر مجبور تھے کہ ایک دوسرے کے کام آئیں' مثلاً آگ لگنے کی صورت میں سب مل کر اسے بجھاتے تھے' ورنہ یہ آگ پھیل سکتی تھی۔ اور اس کو بجھانے کا اور کوئی انتظام بھی نہیں تھا' اس لئے یہ باہمی مدد' برادری کے علاوہ خود غرضی کے جذبات بھی لئے ہوئے ہوتی تھی۔

خاندان کے معاملات کو دوسروں سے علیحدہ رکھا جاتا تھا۔ غربت' لڑائیوں' جھگڑوں اور دوسری کمزوریوں کو ظاہر نہیں کیا جاتا تھا' شادی بیاہ اور جائداد کے معاملات خاندان تک محدود رہتے تھے' جب دو خاندانوں کے درمیان شادی کی بات ہوتی تو اسے خفیہ رکھا جاتا اور مناسب وقت پر اس کا اعلان ہوتا تھا۔ جائداد کے معاملات اور تجارت میں بڑے لڑکے سے مشورہ کیا جاتا تھا' جب کہ چھوٹوں کو اس سے دور رکھا جاتا تھا' خاندان میں باپ سربراہ اور اتھارٹی ہوا کرتا تھا' ماں کا یہ فرض سمجھا جاتا تھا کہ وہ لڑکیوں کو گھریلو کاموں کے لئے تیار کرے' بیوی کے فرائض اس قدر ہوتے تھے کہ اسے اپنی ذات کو خاندان کے لئے وقف کر دینا ہوتا تھا' اس کے لئے نہ تو کوئی آرام کا وقت تھا' اور نہ ہی اس کی زندگی اپنی زندگی تھی' وہ شوہر بچوں اور ملازموں کے ساتھ پورا وقت گذار دیتی تھی' خاندان میں اطاعت گذاری' خاموشی اور فرماں برداری ضروری تھی' اس لئے ریاست خاندانی روایات کی ہمت افزائی کرتی تھی' چونکہ مضبوط خاندانی ڈھانچہ ریاست کے استحکام کے لئے ضروری ہوا کرتا تھا۔

امراء کے گھروں میں بچوں کو ملازم پالا کرتے تھے' جب وہ بالغ ہو جاتے تھے تو انہیں بورڈنگ ہاؤسز میں بھیج دیا جاتا تھا' آگے چل کر اس روایت کے خلاف رد عمل ہوا' کیونکہ اس صورت میں بچوں کا والدین اور گھر سے تعلق ختم ہو جاتا تھا' اس لئے بچوں کو گھروں پر تعلیم دی جانے لگی' تاکہ وہ گھر پر رہیں اور گھر والوں سے میل جول رکھیں۔

کیتھولک مذہب میں پندرہویں اور سولہویں صدیوں میں اعترافات کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا' ہر کیتھولک پر یہ فرض تھا کہ وہ ایسٹر کے تہوار پر اپنے گناہوں کا اعتراف کرے' گناہوں کے اعتراف کے بعد اس کو ان سے معافی مل جاتی تھی' اس کے علاوہ اجتماعی اعترافات کی رسم لینٹ (Lent) کے آخر میں ہوتی تھی' اس موقع پر سب مل کر اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے تھے' اپنا قصور تسلیم کرتے تھے اور پھر معافی کے خواست گار ہوتے تھے' اس کے بعد شریک لوگوں کو معافی مل جایا کرتی تھی۔

اعتراف کی رسم نے جہاں ایک طرف فرد کی ذات پر چرچ کے اثر کو مضبوط کر دیا اور وہ اس کی نجی زندگی میں داخل ہو گیا' وہاں اس کے ساتھ ہی فرد میں اس جرات کو پیدا کیا کہ اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے گناہوں کی چبھن سے خود کو آزاد کر لے' لیکن یہ بھی ہوا کہ کچھ لوگوں کے لئے یہ محض ایک رسم بن گئی اور گناہوں کے اعتراف کے بعد پاک صاف ہو

کر وہ دوبارہ سے انہیں میں ملوث ہو جاتے تھے' اعترافات ان کے لئے ایک سہارا بن گئے کہ جن کے ذریعہ سے وہ باربار اپنے آپ کو پاکیزہ کر لیتے تھے۔

نشاۃ ثانیہ کے دور تک لوگوں میں اولیاء کے بارے میں یہ عقیدہ تھا کہ ان کے پاس صحت یاب کرنے کی طاقت ہے اور یہ کہ وہ ہر بیماری کا علاج کر سکتے ہیں' صرف انسانوں ہی کا نہیں بلکہ مویشیوں کا بھی' وہ فصلوں کو بھی تباہی سے بچا سکتے ہیں' ہر ولی اللہ کی اپنی علیحدہ خصوصیت تھی کہ جس کی وجہ سے وہ لوگوں میں پہچانے جاتے تھے' کچھ ولیوں کے بارے میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ بیماریاں پیدا بھی کرتے ہیں اور ان کا علاج بھی کرتے ہیں' کنواری مریم سے ہر بیماری کی شفاء کے لئے دعا کی جاتی تھی' ہر علاقہ میں مقدس مقام ہوا کرتا تھا' جو کنواری مریم سے منسوب ہوتا تھا' اسی طرح سے لوگوں کی سہولت کے لئے ہر علاقے میں ولیوں کے مزور ہوا کرتے تھے۔

زائرین کے لئے شرط تھی کہ وہ ان مقامات کی زیارت رسومات و قوانین کے ساتھ کریں' جب کسی مزار اور مقدس مقام پر جانا پڑتا تو زائر دعائیں پڑھنے کے بعد ولی کے مجسمہ کو چومتا اور پھر اپنا مدعا بیان کرتا' جب زائرین دور دراز کے مقام پر سفر کے لئے جاتے' تاکہ کسی مشہور ولی کے مزار کی زیارت کریں تو مقامی راہب سے سفارشی خط لیتے تھے' جس کی وجہ سے راستہ میں خانقاہوں میں انہیں رہنے کی سہولت مل جاتی تھی۔ اگر کسی ولی کا سالانہ عرس یا میلہ ہوتا تو راستہ میں زائرین کے قافلے ملتے رہتے اور لوگوں کی تعداد بڑھتی رہتی تھی' رات کو یہ سب مل کر قیام کرتے' کھاتے' پیتے' جوا کھیلتے اور رقص کرتے' اس نے زیارت کو عوام میں مقبول بنا دیا تھا' لوگ اپنے علاقے کے چرچ اور اس کی روزمرہ کی رسومات سے تنگ آ کر بھاگتے تھے اور اس موقع سے فائدہ اٹھا کر سیر و تفریح کرتے اور کھلے ماحول میں مذہبی رسومات ادا کرتے' ایسے موقعوں پر شہری' دیہاتی' غریب و امیر' مرد اور عورت سب آپس میں مل جاتے تھے' یہی وجہ تھی کہ چرچ کے عہدے دار ان زیارتوں پر تنقید کرتے تھے۔

لوگوں کو کراماتوں پر اس قدر عقیدہ تھا کہ انہیں ہر موقع اور ہر جگہ کرامتیں نظر آتی تھیں' درختوں پر کنواری مریم اکثر جلوہ گر ہوتی تھیں' جس کی وجہ سے وہ زیارت کا مرکز بن جاتے تھے' پہاڑی پر کسی ولی کی موجودگی کی وجہ سے وہ مقدس ہو جاتی تھی اور لوگ وہاں

مرادیں مانگنے آنے لگتے تھے۔

چرچ لوگوں کو خیرات پر آمادہ کرتا تھا اور اسے غریبوں کی مدد کے لئے ایک ضروری ذریعہ سمجھتا تھا' جن باتوں میں لوگوں کی مدد کی جاتی تھی ان کی تعداد سات تھی :- (۱) بھوکوں کو کھانا کھلانا' (۲) پیاسوں کو پانی پلانا' (۳) زائرین کو ٹھہرانا' (۴) قیدیوں سے ملاقات کرنا' (۵) بیماروں کی عیادت کرنا' (۶) بے لباس لوگوں کو لباس دینا (۷) مردوں کو دفنانا۔ خیرات کا ایک طریقہ یہ تھا کہ امراء وقف قائم کر دیا کرتے تھے' جس کی آمدنی سے اسکول' شفاء خانے اور چرچ چلا کرتے تھے۔ چرچ کی کوشش ہتی تھی کہ مرتے وقت لوگ وصیت میں ثواب کی خاطر اپنی جائداد یا روپیہ کسی فلاحی ادارے کے نام کر جائیں' تاکہ انہوں نے جو گناہ کئے ہیں اس کا ازالہ اس سے ہو جائے' مرنے والا وصیت میں وہ اپنے دفن کی جگہ' رسومات اور بعد میں فاتحہ کے بارے میں ہدایات دیا کرتا تھا۔ ایک فرد کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی تھی کہ خیرات و فلاحی کاموں کے ذریعہ اس کی روح کو نجات مل جائے' اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس عمل میں انسان کی کاروباری ذہنیت ہوتی تھی اور وہ خود غرضانہ جذبات کا اظہار ان چھپے ہوئے طریقوں سے کرتا تھا اور جو کچھ اس نے عملی زندگی میں سیکھا تھا' یعنی کچھ دو کچھ لو' اس پر وہ مرنے کے بعد بھی عمل کرتا تھا۔

ذاتی پرہیز گاری کے لئے ضروری تھا کہ صبح و شام عبادت کی جائے' سترہویں صدی کی روایت کے مطابق ان لوگوں کے لئے جو سفر کے بعد واپس آتے' ضروری تھا کہ وہ خدا کی بارگاہ میں بطور شکرانہ سر جھکائیں' صلیب کا نشان بنائیں اور کسی مقدس شبیہ کے سامنے کھڑے ہو کر دعا مانگیں۔ شام کو بھی عبادت ضروری تھی' سونے سے پہلے صلیب کا نشان بنانا اور موت کے خیال کو ذہن میں رکھتے ہوئے سونا' جو لوگ پڑھنا جانتے تھے' ان کے لئے دعاؤں اور مناجاتوں کی کتابیں تھیں' جن میں اولیاء کی رنگین تصاویر ہوا کرتی تھیں' یہ گھر گھر جا کر فروخت کرتے تھے۔ لوگ ان تصاویر کو خواب گاہ کی دیواروں پر سجاتے تھے' تاکہ ولی اللہ ان کی حفاظت کریں' جو لوگ پڑھنا نہیں جانتے تھے' ان کے لئے تسبیح ہوا کرتی تھی کہ وہ اس کے ذریعہ دعائیں پڑھ لیں۔

اٹھارویں صدی تک نچلے متوسط طبقے میں لوگ کم پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ بائبل مہنگی ہوا کرتی تھی' اس لئے ہر خاندان میں صرف ایک ہوا کرتی تھی' جسے محفوظ مقام پر رکھا جاتا

تھا اور یہ نسل در نسل منتقل ہوتی رہتی تھی۔ رواج یہ تھا کہ سب گھر والوں کے سامنے بائبل کو زور سے پڑھا جاتا تھا۔ گھر کا سربراہ صبح و شام تمام گھر والوں کو جمع کر کے بائبل کی چند آیات پڑھتا تھا' اس کے بعد مناجاتیں پڑھی جاتی تھیں' مناجاتوں کو گا کر پڑھا جاتا تھا' کھانے سے پہلے اور بعد میں خدا اور یسوع مسیح کا شکرانہ ادا کیا جاتا تھا' خاندان کے سربراہ کا یہ فرض تھا کہ اپنے گھر والوں اور ملازموں کی نگرانی کرے اور یہ دیکھے کہ وہ مذہبی فرائض ادا کرتے ہیں یا نہیں' اگر وہ ان سے غفلت برتیں تو ان کو تنبیہہ کرے۔

کیتھولک مذہب نے اپنی رسومات کی پیچیدگیوں کی وجہ سے فرد کی زندگی کو الجھا کر رکھ دیا تھا۔ اور اس کی نجی زندگی میں دخل دے کر اس کی آزادی کو ختم کر دیا تھا۔ اس لئے جب کیتھولک عقائد کے خلاف تحریکیں چلیں تو اس میں فرد کو یہ موقع دیا گیا کہ رسومات سے چھٹکارہ پا کر براہ راست خدا سے رابطہ قائم کرے' اس رویہ نے اس کی زندگی سے لاتعداد مذہبی رسومات کو ختم کر دیا اور روزمرہ کی عبادات میں سادگی آ گئی' یہ بدلتے ہوئے معاشرے کے لئے ضروری تھی کہ جہاں لوگوں کے پاس فرصت کے اوقات نہیں تھے اور وہ کاروبار میں اس قدر مشغول ہو گئے تھے کہ ان کے لئے لاتعداد رسومات کی ادائیگی مشکل ہو گئی تھی' اس تبدیلی نے لوگوں کی روزمرہ کی زندگی پر اثر ڈالا اور فرد اداروں اور روایات سے آزاد ہوتا چلا گیا۔

عہد نشاۃ ثانیہ میں چھاپہ خانہ کی ایجاد کے بعد کتابوں کی چھپائی نے زندگی کو بدلنے میں اہم کردار ادا کیا' کیونکہ کتابوں کی موجودگی اور دستیابی کی وجہ سے لوگوں میں پڑھنے کا شوق پیدا ہوا۔ کتابوں کی تعداد زیادہ ہوئی تو اس کی وجہ سے افراد اس قابل ہوئے کہ وہ اپنی پسند کی کتابیں خرید کر انہیں پڑھ سکیں' ابتدا میں جب کتابیں ہاتھ سے لکھی جاتی تھیں تو ان کے نسخے بھی کم ہوتے تھے۔ مہنگی ہونے کی وجہ سے ہر شخص انہیں خرید بھی نہیں سکتا تھا' اس کا ایک حل یہ نکالا گیا تھا کہ لوگ جمع ہو جاتے تھے اور ایک شخص کتاب کو زور سے پڑھتا تھا' خاندان میں یہ دستور تھا کہ گھر والے جمع ہو کر کتاب سنا کرتے تھے' کتاب کو زور سے سننے میں کئی خرابیاں تھیں' ایک تو ہر شخص موضوع پر پوری توجہ نہیں دیتا تھا' خصوصیت سے سنجیدہ موضوعات پر غور و فکر ممکن نہیں تھا۔ ناول اور قصوں میں تو سننے والوں کی دلچسپی رہتی تھی' مگر دقیق مسائل کے بارے میں اس کی توجہ بٹ جاتی تھی۔

دوسرے صرف انہیں کتابوں کو زور سے پڑھا جا سکتا تھا کہ جن میں نصیحتیں' وعظ اور ہدایات ہوتیں' بہت سے رومانی قصے اور واقعات کو سب کے سامنے نہیں پڑھا جا سکتا تھا۔ سب سے اہم بات یہ تھی اس طرح پڑھنے میں سننے والوں کا رشتہ کتاب سے نہیں' بلکہ سنانے والے سے ہوتا تھا' لیکن تبدیلی اس وقت آئی جب کتابیں بڑی تعداد میں چھپنے لگیں اور افراد انہیں خرید کر خاموشی سے پڑھنے لگے' اس سے قاری اور کتاب کے درمیان ایک رشتہ قائم ہو گیا اور اب قاری کے لئے یہ ممکن ہو گیا کہ اگر وہ کسی تحریر کو نہیں سمجھ پاتا ہے تو اسے بار بار پڑھے یا کتاب بند کرکے اس پر غور و فکر کرے' اس طرح قاری کو خاموشی اور تنہائی میں مسائل پر سوچنے کا موقع مل گیا اور اس سوچ نے ایک طرف اس کی ذہنی ترقی میں حصہ لیا تو دوسری طرف اس کی انفرادیت کو اس سے استحکام ملا۔

خاموشی سے پڑھنے کے جو اثرات معاشرے پر پڑے' ان میں سب سے اہم بات یہ ہوئی کہ اب فرد اور معاشرے کے تعلقات بدلنا شروع ہوئے' افراد نے تنہائی اور خاموشی سے پڑھنے میں پناہ لینی شروع کر دی' اس کی اپنی علیحدہ دنیا آباد ہو گئی' کتاب ایک ساتھی کی حیثیت سے ابھری کہ جس نے اس پر علم و عرفان کے دروازے کھولنا شروع کر دیئے' مطالعہ نے اس کے خیالات و نظریات کی تشکیل میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ اب وہ مجمع سے دور تنہائی کا عادی ہونے لگا' گھر میں بھی ہر فرد کی یہ خواہش ہونے لگی کہ وہ علیحدگی میں مطالعہ کرے' اس سے نہ صرف اس کے باہر کے تعلقات بدلے' بلکہ خود گھر میں اب مل کر بیٹھنے کے مواقع کم ہوتے چلے گئے۔

دلچسپ بات یہ تھی کہ اس زمانہ میں لڑکیوں کے لئے پڑھنا تو ضروری سمجھا جاتا تھا' مگر انہیں لکھنے سے روکا جاتا تھا' کیونکہ اسے لڑکیوں کے لئے خطرناک تصور کیا جاتا تھا' اگرچہ لکھنے کی شرح معاشرے میں کم تھی۔ مردوں میں بھی اکثر لوگ محض دستخط کر سکتے تھے۔ اس سے زیادہ انہیں لکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی' لکھنے پڑھنے کی شرح امراء اور متوسط طبقوں میں زیادہ تھی۔

پروٹسٹنٹ چرچ نے لوگوں کو مجبور کیا کہ وہ لکھنا پڑھنا سیکھیں' اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ بائبل' مناجاتیں اور دعائیں پڑھ کر مذہب کی طرف مائل ہوں' انہوں نے اس پر عمل کروانے کے لئے یہ شرائط عائد کر دیں کہ جن لوگوں کو لکھنا پڑھنا نہیں آتا ہو گا نہ تو ان کی

چرچ میں شادی ہو گی اور نہ ہی چرچ ان کے لئے کوئی رسم ادا کرے گا' چرچ کی ان سختیوں کی وجہ سے سویڈن' ڈنمارک اور اسکاٹ لینڈ میں لوگوں نے پڑھنا سیکھ لیا' مگر لکھنے میں وہ کمزور رہے' ایک اور وجہ کہ جس نے لوگوں میں پڑھنے کے جذبہ کو ابھارا' وہ یہ تھا کہ اگر انہوں نے یہ نہیں سیکھا تو انہیں اپنے ہمسایوں اور دوستوں سے شرمندگی ہوگی' چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ اب ہر فرد بائبل خرید کر پڑھ سکتا تھا' اگرچہ اسے کبھی کبھی اس کے سمجھنے میں دقت ہوتی تھی۔

عام لوگوں میں تحریر کے خلاف جذبات تھے' اس کی وجہ یہ تھی کہ حکمرانوں کے فرامین اور احکامات تحریری شکل میں ہوتے تھے۔ یہ احکامات غریب لوگوں کے لئے ہمیشہ مشکلات لے کر آتے تھے' کیونکہ ان میں ٹیکسوں اور جرمانوں کی تفصیل ہوتی تھی یا غریبوں پر قرضوں کے مقدمات ہوتے تھے' اس لئے غریب یہ سمجھتے تھے کہ تحریر طبقہ اعلیٰ کی جانب سے ان کے لئے اذیت اور عذاب ہے کہ جس کو استعمال کرکے وہ ان کا استحصال کرتے ہیں' ان کے مکانوں و مویشیوں کو ضبط کرتے ہیں' ان کا اناج اٹھا کر لے جاتے ہیں اور انہیں قید و بند میں رکھ کر اذیتیں دیتے ہیں۔

تحریر کی وجہ سے زبانی اور تحریری کلچر میں بھی زبردست تصادم ہوا' کیونکہ جب زبانی معاہدے ہوتے تھے تو ہر لفظ اور بات کو زور سے بولا جاتا تھا' جسے لوگ سن سکتے تھے اور اس کی تصدیق کرتے تھے' اس لئے ان سے روگردانی کرنا سماجی روایات کے خلاف تھا۔ جو زبانی وعدوں سے پھر جاتا تھا اس کی معاشرے میں کوئی عزت نہیں رہتی تھی' جب یہ کہا جاتا تھا کہ زبان دے دی ہے تو اس کی بات کو اٹل سمجھا جاتا تھا اور اس سے فرد کی عزت و وقار وابستہ ہو جاتا تھا لیکن تحریر کے بعد زبان کا یہ کلچر کمزور پڑ گیا کیونکہ تحریر میں تمام باتیں خفیہ اور خاموشی سے ہوتی تھیں' اس میں لوگ شامل نہیں ہوتے تھے اس لئے اس کے ساتھ عزت و وقار کی وابستگی بھی نہیں تھی۔

جب گٹن برگ نے چھاپہ خانہ قائم کیا تو اس کے خلاف مذہبی علماء اور طبقہ اعلیٰ کے لوگوں کی جانب سے زبردست اعتراضات کئے گئے' ان کا کہنا تھا کہ اس سے کتابوں کا متن بگڑ جاتا ہے اور جب ایک بار کتابت کی غلطی ہو جاتی ہے تو وہ پورے ایڈیشن میں رہتی ہے' اس کے علاوہ کتابیں اس لئے چھاپی جاتی ہیں کہ ان کے ذریعہ منافع کمایا جائے اور پھر ایسی کتابیں

بھی چھپنے لگی ہیں کہ جن سے غیر اخلاقی اور کافرانہ خیالات کا فروغ ہوتا ہے۔ ان کتابوں کی اشاعت پر مذہبی عہدے داروں کا کوئی کنٹرول نہیں ہے' پھر سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ اس سے علم بگڑتا ہے' کیونکہ جاہلوں پر ظاہر ہو کر یہ خراب ہو جاتا ہے' قلم کی حیثیت کنواری دوشیزہ کی مانند ہے اور پریس طوائف ہے' چھاپہ خانہ کے خلاف تحریک پڑھے لکھے اور عالموں کی جانب سے اس لئے تھی کہ اس سے ان کی اجارہ داری کا خاتمہ ہو رہا تھا اور ان کی عزت جو علم پر ان کی اجارہ داری کی وجہ سے تھی' وہ ختم ہو رہی تھی' اب تک علم جو عام لوگوں کے لئے راز کی مانند تھا' اس سے پردہ اٹھا رہا تھا اور کتابیں جو محدود تعداد میں ہوتی تھیں اب ان کی تعداد بڑھ رہی تھی اور لوگ انہیں خرید سکتے تھے۔

چنانچہ امراء اور متوسط طبقے کے لوگوں نے اپنے کتب خانے قائم کر لئے کہ جس میں وہ اپنی پسند کے موضوعات پر کتابیں جمع کرتے اور دنیا کے ہنگاموں سے دور کتابوں کے درمیان پناہ لیتے۔ کتابیں جمع کرنے کے شوق نے آگے چل کر عمدہ جلد بندی' خوبصورت الماریوں اور فرنیچر کا شوق پیدا کیا' جس نے علم کے خواست گاروں میں تنہائی کی عادت ڈالی' اس سے معاشرے کی سماجی سرگرمیوں پر اثر پڑا' کیونکہ بہت سے لوگ بات چیت اور کھیلوں کے بجائے اپنا وقت مطالعہ میں گذارنا چاہتے تھے' اکثر لوگ سونے سے پہلے ضرور کچھ نہ کچھ پڑھتے تھے یا امراء کے ملازم انہیں زور سے پڑھ کر سنایا کرتے تھے' اس لئے اس دور میں مرد ملازموں میں خواندگی کی تعداد کافی بڑھ گئی تھی۔

خواندگی اور مطالعہ کی وجہ سے لوگوں میں یہ شوق بھی پیدا ہوا کہ وہ اپنے تجربات اور خیالات کو تحریر میں لائیں' چنانچہ متوسط طبقوں کے لوگوں نے اس دور میں سوانح حیاتیں' ڈائریاں اور سفرنامے لکھے۔

کتابوں کے چھپنے کے بعد ایک طرف مصنف کو جلد شہرت ملنے لگی اور اس کے خیالات مقبول ہونے لگے' دوسرے وہ بادشاہوں اور امراء کا محتاج نہیں رہتا کیونکہ جب کتاب زیادہ تعداد میں فروخت ہوتی تو اس کو اس کا معاوضہ ملتا' اس نے مصنفوں اور عالموں کو معاشرہ میں زیادہ باعزت مقام دیا اور لوگ اس لئے ان کے احسان مند ہوتے کہ ان کے نظریات سے انہیں نئی راہیں ملتیں اور وہ زندگی میں ان کے خیالات سے بہت کچھ سیکھتے تھے۔

نشاۃ ثانیہ کی اہمیت اس وجہ سے ہے کہ اس نے معاشرے میں بنیادی تبدیلیوں کی

ابتداء کی۔ فن تعمیر' ادب' آداب' جذبات اور جسمانی حرکات کے بارے میں نئے خیالات پیدا ہوئے' خاص طور سے مندرجہ بالا شعبوں میں تبدیلی آئی :۔

آداب : اس نے جسم کی حرکات کو بدلا اور نئے زاوئے پیدا کئے۔

نجی علم : اپنی ذات کے بارے میں جستجو' یہ تحقیق نجی تحریروں کے ذریعہ ہوئی۔

تنہائی : میں رھبانیت اور ترک دنیا کا جذبہ نہیں تھا' بلکہ اس میں غور و فکر کے جذبات تھے۔

دوستی : یہ ایک نئے جذبہ کے ساتھ پیدا ہوئی' اس میں نجی وابستگی زیادہ تھی۔

مذاق : اس میں خود نمائی تھی۔

سہولتیں : نئی ایجادات کی وجہ سے روزمرہ کی زندگی میں آئیں۔

ڈچ اسکالر اور مشہور انسان دوست فلسفی اراسمس نے بچوں کے لئے آداب پر ایک کتاب لکھی' جو بہت جلد پورے یورپ میں مقبول ہو گئی اور کم مدت میں اس کے کئی ایڈیشن چھپ گئے' اس کتاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ معاشرے کے رویوں میں کیا تبدیلی آ رہی تھی اور لوگ ان تبدیلیوں کے تحت نئے ادب آداب سیکھ رہے تھے۔ اس میں اراسمس نے خصوصیت سے اس جانب نشان دہی کی ہے کہ کس طرح اپنے جسم اور اس کی حرکت پر کنٹرول ضروری ہے کیونکہ یہ حرکات انسان کے اندرونی جذبات کی عکاسی کرتی ہیں' اس لئے ان پر قابو پانا ضروری ہے' کتاب کی مقبولیت اور آداب کی اس اہمیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ معاشرے میں پرہیزگاری اور اخلاقیات کے ساتھ ساتھ لوگوں میں یہ شعور بھی آ گیا تھا کہ محلوں اور مجمع میں کیسے برتاؤ کیا جائے؟ اراسمس کی یہ کتاب جلد ہی نصاب کا حصہ بن گئی' اس کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس میں اس نے صرف امراء ہی کے بچوں کو مخاطب نہیں کیا ہے' بلکہ تمام بچوں کو ہدایات دی ہیں کہ وہ کس طرح سے جسم کو حرکت دیں' چہرے کے اتار چڑھاؤ کو کیسے قابو میں رکھیں اور اشاروں کو کیسے استعمال کریں؟ اس کا مقصد یہ تھا کہ جسم کی ان حرکات کو ختم کر دیا جائے کہ جن سے حسن مذاق مجروح ہوتا ہے۔ ان حرکات و سکنات اور اشاروں کو رائج کیا جائے کہ جو لطیف اور دلکش ہوں۔

اس کتاب کی مقبولیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ معاشرہ ان آداب کو سیکھنے کے لئے ذہنی طور پر تیار تھا۔ اراسمس اس کتاب میں والدین پر زور دیتا ہے کہ وہ بچوں کو آداب سکھائیں' آگے چل کر یہ کام اسکولوں کا ہو گیا کہ جہاں بچوں کی ان خطوط پر تربیت ہوتی تھی' اس کا

نقطۂ نظر یہ بھی تھا کہ اچھے آداب تقلید کے ذریعہ سیکھے جا سکتے ہیں' اس لئے والدین کو چاہئے کہ وہ بچوں کے سامنے نمونہ ہوں' جن کو دیکھ کر وہ ان آداب کو اپنائیں۔

اس سوال کا جواب کہ افراد نے اراسمس کے دیئے ہوئے آداب کو کیوں اختیار کیا؟ یہ ہے کہ معاشرہ نے افراد کو مجبور کیا کہ وہ ساجی آداب کو اختیار کریں' اس کی وجہ سے ہر فرد کو یہ احساس ہو گیا کہ اس کا عمل لوگوں کی نظروں کے سامنے ہے' اس طرح معاشرے نے افراد کی طرف اشارہ کیا ہے کہ لوگوں کو محفل میں ہنسنا نہیں چاہئے کیونکہ کسی کو غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ اس پر ہنسا جا رہا ہے یا بیٹھے ہوئے' لکڑی یا چھڑی سے زمین پر لکیریں یا تصویر نہیں بنانا چاہئے کیونکہ اس سے لوگ تمہیں تصوراتی یا جنونی سمجھیں گے۔

آداب میں جسمانی صفائی پر خاص توجہ دی جاتی تھی' برہنگی کو برا سمجھا جاتا تھا' لباس کی صفائی ضروری تھی' خصوصیت کے ساتھ ہدایت تھی کہ کالروں اور کفوں کو صاف رکھا جائے' بچوں میں روزمرہ کے معمولات کے بارے میں ہدایات ہیں' مثلاً سو کر اٹھنے کے بعد بستر جھٹکا کرو اور چادر لپیٹ کر رکھو' اپنی رات کی ٹوپی کرسی پر مت چھوڑو کیونکہ یہاں سے اسے دیکھا جا سکتا ہے۔

اس وقت صفائی کا تصور یہ تھا کہ جسم کو پانی سے صاف نہیں کیا جائے یا اسے دھویا نہیں جائے' بلکہ خوش بو سے معطر رکھا جائے' اسی لئے خوشبوؤں کا استعمال بڑھ گیا۔

دربار آداب کا مرکز تھا' یہاں درباری اور سرکاری عہدے دار اپنے رتبے اور مرتبے کے مطابق اٹھتے بیٹھتے' بات چیت کرتے اور اپنی حرکات و سکنات میں آداب کا خیال رکھتے تھے۔ دربار سے جب یہ لوگ باہر جاتے تو لوگ ان کی گفتگو کے طریقے اور نشست و برخاست کے آداب کی تقلید کرتے۔

دربار میں امراء کے لئے لازمی تھا کہ وہ درباری رسومات کے تحت عمل کریں' اس لئے ان کے کپڑے ان کی بول چال' الفاظ' محاورے یہ سب نپے تلے ہوتے تھے' وہ خود کو دربار میں اس انداز سے پیش کرتے کہ جس سے ان کی عزت و وقار رہے' اس لئے خوشبوؤں' پاؤڈر اور وگ کا استعمال ہوتا تھا' جو کسی امیر کی ظاہری حالت کو پیش کرتا تھا۔ دربار میں رقص کے ذریعہ جسم پر قابو پانا سکھایا جاتا تھا' دربار کی اس اہمیت کی وجہ سے کہ یہاں آنے والے ادب' آداب میں تربیت حاصل کرتے تھے' بعد میں ایسی کتابیں لکھی گئیں کہ جو لوگ

دربار میں نہیں آ سکتے تھے' وہ ان کی مدد سے خود کو تربیت دے سکیں اور درباری آداب سیکھ سکیں۔

اس عہد میں انسانی جسم میں دل کو بڑی اہمیت حاصل تھی اور اسے تمام جذبات کا مرکز سمجھا جاتا تھا' یہاں تک کہ مرنے کے بعد دل کو جسم سے نکال کر علیحدہ شیشے کے برتن میں محفوظ کر دیا جاتا تھا' یہ بھی روایت تھی کہ کچھ خاندان مرنے والے کے بالوں کا ایک گچھا بطور یادگار رکھ لیتے تھے' یہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ لوگ جسم سے تعلق کو برقرار رکھنا چاہتے تھے اور اس کے کسی حصہ کو بطور یادگار اپنے پاس محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔

اسی دوران لوگوں میں ایسی اشیاء جمع کرنے کا شوق ہو گیا جو نایاب ہوتی تھیں یا جن سے انہیں جذباتی لگاؤ ہوتا تھا۔ گھروں میں فرنیچر کے ساتھ ساتھ اب بطور زیب زینت اور آرائش نایاب اشیاء جمع ہونے لگیں' اس شوق کی وجہ سے بہت سی تاریخی اور قیمتی اشیاء نجی افراد کی ملکیت میں آ گئیں اور آہستہ آہستہ معاشرہ میں ان کی اہمیت بڑھ گئی۔

عورت اور مرد کی محبت کا اظہار کئی طریقوں سے ہوتا تھا' اگر مرد کو کسی سے محبت نہیں ہوتی تھی تو وہ اپنے جسم اور لباس پر زیادہ توجہ نہیں دیتا تھا' مگر محبت ہوتے ہی اس کی شخصیت بدل جاتی تھی اور وہ اپنے جسم اور لباس کی آرائش اور خوب صورتی کو اہمیت دینے لگتا تھا۔ محبت کے مراحل میں پہلا مرحلہ خطوط کے لکھنے کا ہوتا تھا' اس ذریعہ سے وہ اپنے جذبات کا اظہار کرتا تھا' ان خطوط میں اس قدر دلکشی' رومانیت اور جذبات ہوتے تھے کہ عورت انہیں دل کے قریب لباس میں محفوظ کر لیتی تھی' اکثر ان خطوط کو کھال کے بنے ہوئے چھوٹے سے بیگ میں رکھ کر گلے میں ڈال لیتی تھی' اکثر یہ خطوط خفیہ اشاروں میں لکھے جاتے تھے' تاکہ دوسرا کوئی انہیں سمجھ نہ جائے' عورتیں محبت کی نشانی کے طور پر کنگا' ربن' انگوٹھی' ہار اور نیکلس دیا کرتی تھیں' جب کہ مرد اس کے بدلے میں انگوٹھی' رومال اور ربن دیا کرتے تھے۔ سولہویں صدی میں عورتیں اور مرد دونوں آرٹسٹوں سے اپنی تصاویر بنوانے لگے تھے۔

تصاویر بنوانے کا یہ شوق تاجروں اور پیشہ ور لوگوں میں بہت ہو گیا تھا' جو یا تو یہ تصویریں خود رکھتے تھے یا بطور تحفہ دوستوں کو دیا کرتے تھے' چھوٹی تصویریوں کو فریم کر کے گلے میں لٹکانے کا رواج بھی ہو گیا تھا' اکثر عورتوں کی ایسی تصویریوں کے ساتھ ان کے سر

کے بال بھی ہوا کرتے تھے' اس سے جسم اور تصویر میں ایک رشتہ قائم ہو گیا تھا' اس قسم کی انگوٹھیوں کا رواج تھا کہ جس میں وہ ہاتھ ملے ہوتے تھے' یا پھول و پتیوں کا ملاپ ہوتا تھا' اس سے شوہر و بیوی کی محبت ظاہر ہوتی تھی' کھوپڑی کا نشان موت کو یاد دلاتا تھا۔ اٹھارویں صدی میں دل کا نشان کم ہو گیا اور اس کی جگہ دوسرے نشان آ گئے' مثلاً شاہ بلوط کے پتے کے آپس میں ملے ہوئے یا کوئی رومانوی شعر و جملہ جو انگوٹھی پر کندہ ہوتا تھا۔

ان علامات سے اندازہ ہوتا ہے کہ خاص طور سے محبت کے معاملہ میں جہاں وہ کھل کر اظہار نہیں کرتے تھے' وہاں علامات و اشاروں سے اپنے جذبات کا اظہار کرتے تھے اور محبت کی یہ نشانیاں ان کو ہمہ وقت محبت کی یاد دلاتی رہتی تھیں۔

قرون وسطیٰ میں جب لوگ دعوتوں میں کھانا کھاتے تو سب کے لئے ایک ہی بڑی پلیٹ یا پیالہ ہوا کرتا تھا' جس سے سب مل کر ہاتھ سے کھاتے تھے۔ دو یا تین لوگ ایک ہی پیالے سے سوپ پیتے تھے' پانی کے لئے ایک ہی گلاس ہوتا تھا' جو سب استعمال کرتے تھے' روٹی یا ٹوسٹ کو ایک ہی شوربہ کے پیالہ میں ڈبو کر کھایا جاتا تھا' مگر آہستہ آہستہ اس میں تبدیلی آئی۔ سترہویں و اٹھارویں صدیوں میں ہر شخص کی اپنی علیحدہ پلیٹ' گلاس' چھری' چمچہ' کانٹا اور نیپکن ہونے لگا اور لوگ کھانا بڑی ڈش سے لے کر اپنی پلیٹ میں ڈالتے اور پھر کھاتے۔ معاشرہ کے کھانے کے آداب اس لئے بدلے کہ اس زمانہ میں صفائی کا نیا تصور ابھرا اور ساتھ ہی میں یہ احساس ہوا کہ اس سے متعدی بیماریاں لگ سکتی ہیں۔

چنانچہ سترہویں صدی میں فرانس میں اس بات پر زور دیا جانے لگا کہ باورچی خانہ کو صاف رکھا جائے' کیونکہ اگر یہ گندا ہو تو اس سے کھانا خراب ہو گا اور اس کا اثر کھانے والے پر ہوگا۔ برتنوں اور پلیٹوں کو خاص طور سے صاف رکھا جانے لگا' لوگوں میں گندگی کے بارے میں احساسات پیدا ہوئے کہ یہ بیماریوں کی جڑ ہے' اس کے ساتھ ہی اس پر اصرار ہوا کہ ہاتھ سے کھانے کے بجائے چھری' کانٹے کی مدد سے کھایا جائے' کھانے کے آداب پر جو کتابیں لکھی گئیں' ان میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے کہ کس چیز کو کس طرح سے کھایا جائے' کس کے لئے چمچہ اور کس کے لئے کانٹا استعمال کیا جائے' مثلاً روٹی کو ہاتھ سے توڑنے کے بجائے چاقو سے کاٹنے کو کہا گیا ہے' اگرچہ اٹھارویں صدی تک فرانس میں روٹی چاقو کے بجائے ہاتھ ہی سے توڑی جاتی تھی۔

معاشرے کی بدلتی ہوئی اقدار کے ساتھ کھانے کے آداب بھی بدلتے رہے۔ میز پر بیٹھنے اور کھانے کے آداب میں مسلسل تبدیلی آتی رہی' ان آداب میں جہاں ایک طرف صفائی و نفاست تھی' وہاں دوسری طرف سماجی طور پر عہدے و مرتبہ کا بھی خیال رکھا جاتا تھا' اس بات پر باربار زور دیا گیا کہ کھائی ہوئی پلیٹیں میز سے اٹھا کر مہمانوں کے سامنے صاف مت کرو' سوپ کے پیالے میں چمچہ ڈال کر باربار اس میں سے سوپ مت پیو' نیپکن کو کچن کے دوسرے کپڑوں کے ساتھ مت ملا کر رکھو' سترہویں صدی میں مال دار انگریز اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ ان کی دعوت میں متوسط اور غریب طبقوں کے لوگ نہیں آئیں۔ یورپ میں یہ رواج ہو گیا تھا کہ دعوتوں میں امراء اور بڑے لوگ علیحدہ میز پر بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے اور ان کے کھانے میں اچھی شراب اور عمدہ پکوان ہوتا تھا' جب کہ عام مہمانوں کے لئے گھٹیا قسم کا کھانا ہوتا تھا۔

قرون وسطیٰ میں کھانے میں مسالوں اور جڑی بوٹیوں کا زیادہ استعمال نہیں ہوتا تھا' مگر سترہویں اور اٹھارویں صدیوں میں ان کا استعمال بڑھ گیا' مگر اس وقت لہسن کو برا سمجھا جاتا تھا اور اکثر باروچی اس کا استعمال پسند نہیں کرتے تھے' دعوتوں میں جب کھانا دیا جاتا تو اس بات کا خیال رکھا جاتا تھا کہ گوشت کے اچھے ٹکڑے امراء اور اعلیٰ مرتبہ کے لوگوں کو دیے جائیں اور ہڈیوں والا حصہ غریبوں کے لئے الگ کر دیا جائے۔

اسی زمانہ میں کھانے کی میز پر کھانوں کی اقسام بڑھ گئیں تھیں اور طرح طرح کے کھانوں سے میز بھر جایا کرتی تھی' جب کہ قرون وسطیٰ میں میز کا بڑا حصہ خالی رہتا تھا ایک اور تبدیلی یہ آئی کہ پرندوں کو معہ کھال اور پروں کے نہیں روسٹ کیا جاتا تھا بلکہ ان کی کھال اتار کر اسے ہلکی آنچ پر بھونا جاتا تھا۔ ایک تبدیلی یہ بھی آئی کہ زیادہ کھانے کو برا سمجھا جانے لگا۔ کھانے کی مقدار سے زیادہ اس کی خوبی پر توجہ دی جانے لگی' اس سے باذوق آدمی کا تصور پیدا ہوا کہ جس کا کھانے پینے میں ذوق ہوتا تھا اور جو کھانے کے ذائقہ کے بارے میں رائے دیتا تھا۔

معاشرے میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ انسانی زندگی مختلف درجوں سے گذر کر بالآخر موت سے ہمکنارہ ہو جاتی ہے' مرنے کے بعد مردے زمین کے نیچے والی دنیا میں رہتے ہیں۔ اور یہاں سے وہ دوبارہ نئے قالب میں واپس آ جاتے ہیں' اس لئے لوگ پوتے' پوتیوں کے نام

ان کے دادا اور دادی کے ناموں پر رکھتے تھے' اس سے خاندان کے تسلسل' بقاء اور دائمی زندگی کا تصور پیدا ہو جاتا تھا۔

جسم کے بارے میں یہ نظریہ تھا کہ یہ فرد ہی کا نہیں بلکہ خاندان کا بھی ہے' اس لئے خاندان کے جسم کو باقی رہنا چاہئے' فرد مر جاتا ہے مگر خاندان زندہ رہتا ہے' اس طرح سے زندگی دوامی ہو جاتی ہے' بوڑھے لوگ اپنے بعد جوانوں کو زندگی دے جاتے ہیں۔ خاندان کی بقاء اور اس کی زندگی کے لئے ضروری تھا کہ بچوں کو اہمیت دی جائے' اس لئے انہیں خاندان کا مستقبل سمجھا جاتا اور درخت کی شاخیں کہا جاتا تھا' اس کا مطلب یہ تھا کہ شاخیں آتی جاتی رہتی ہیں' مگر درخت باقی رہتا ہے' بچہ والدین ہی کا نہیں' بلکہ خاندان کا بھی ہوتا ہے۔

سترہویں اور اٹھارویں صدیوں میں بچوں اور والدین کے درمیان گہرا تعلق قائم ہو گیا' اب بچوں کو دودھ دایہ کے بجائے ماں پلانے لگی' جب بچہ گھر میں خاندان کی توجہ کا مرکز بنا تو اس کی معصومیت اور دلکشی کا ایک رومانوی تصور پیدا ہوا اور ایسی تصاویر مقبول ہونے لگیں کہ جن میں ماں باپ کے درمیان بچہ نظر آتا ہے' بچہ کی پیدائش کی طرف خصوصی توجہ دی جانے لگی اور اس کی صحت اور کردار کے بارے میں والدین کو فکر رہنے لگی' خاندان میں بچہ کی اہمیت اس لئے بھی زیادہ ہو گئی کہ جب بڑے گھرانوں کی جگہ چھوٹا خاندان ہوا تو بچہ ماں باپ کے زیر سایہ آگیا اور اس کا شمار خاندان کے اہم فرد میں ہونے لگا۔

چھٹا باب: روشن خیالی کا زمانہ

روشن خیالی کے عہد میں معاشرے میں تبدیلیاں آ رہی تھیں۔ پرانی روایات ٹوٹ رہیں تھیں اور معاشرہ کا ڈھانچہ جو اب تک مستحکم بنیادوں پر تھا اس میں دراڑیں پڑنا شروع ہو گئیں تھیں، اس لئے اس ٹوٹ پھوٹ کے عمل نے ہر فرد میں ڈر اور خوف کو پیدا کر دیا تھا۔ مستقبل سب کے لئے نامعلوم خطرات اور پریشانیاں لئے ہوئے تھا۔ اس صورت حال کا ردعمل ہمیں اس دور میں لکھی جانے والی ان کتابوں سے ملتا ہے کہ جن میں ایک خیالی دنیا۔ یوٹوپیائی معاشرے کے تذکرے ہیں ایک ایسی خیالی دنیا اور جنت ارضی کہ جس میں لوگ حال کی پریشانیوں، مسائل اور مصیبتوں سے چھٹکارہ پا کر پناہ لینا چاہتے تھے، چنانچہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ۱۷۰۰ سے ۱۷۸۱ تک کے عرصہ میں تقریباً ۸۰ کے قریب کتابیں یوٹوپیائی موضوعات پر چھپیں، ان کی مقبولیت سے پتہ چلتا ہے کہ لوگ اپنے زمانہ سے کس قدر مایوس تھے اور یہ کہ دلی طور پر ان کی خواہشات کیا تھیں! اگرچہ یہ یوٹوپیائی دنیا جس کو ان کتابوں میں بیان کیا گیا ہے، یہ انسانی تخیل کی پیداوار تھی کہ جس کا تاریخ سے کوئی تعلق نہیں تھا، مگر یہ مستقبل یا آنے والے زمانہ کی نشان دہی کرتی تھی۔

ان یوٹوپیائی معاشروں میں اہم بات یہ ہے کہ ان میں انسانی تعلقات مساوی بنیادوں پر ہیں، سب ساتھ کھانا کھاتے ہیں، سب کے لئے تعلیم لازمی ہے، تہواروں اور تقریبات میں سب ساتھ شریک ہوتے ہیں، یہاں پر کوئی شخص اکیلا نہیں، بلکہ ہمیشہ دوسروں کی نظروں میں

رہتا ہے' گھروں میں نہ تو دروازے ہوتے ہیں اور نہ ہی کھڑکیاں' یہاں حکومت بڑی مضبوط ہے' وہ ہر چیز پر کنٹرول کرتی ہے' یہاں کوئی چیز نجی اور پرائیویٹ نہیں۔

اس خاکہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یوٹوپیائی معاشرہ اپنے زمانہ کی ناانصافیوں اور ناہمواریوں کے خلاف ایک احتجاج تھا اور ان تحریروں کے ذریعہ وہ لوگوں کی دبی ہوئی اور چھپی ہوئی خواہشات کا اظہار تھا' اگرچہ یوٹوپیائی خواہشات ادب تک محدود رہیں اور ایسی کوئی تحریک نہیں چلی کہ ان خواہشات کو عملی جامہ پہنایا جا سکتا' مگر ان تحریروں نے آگے چل کر سیاسی نظریات کی تشکیل میں مدد دی۔

یادداشتوں کے لکھنے کا رواج سولہویں صدی میں شروع ہو چکا تھا اور ان کے لکھنے والے اکثر طبقہ اعلیٰ کے لوگ ہوتے تھے' جن میں فوجی' جنرل' سیاست دان اور حکومت کے عہدے دار ہوتے تھے' ان کا مقصد یہ تھا کہ یادداشتوں کے ذریعہ وہ اپنے کردار اور عمل کو نمایاں کریں اور تاریخ میں خود کو اعلیٰ مقام دلائیں' چنانچہ ان یادداشتوں کی خاص بات یہ تھی کہ یہ اپنی نجی زندگی کے بارے میں نہیں لکھتے تھے' بلکہ ان پہلوؤں پر زیادہ زور دیتے تھے کہ جو پبلک سے متعلق تھے' ان کے نقطۂ نظر سے وہ باتیں کہ جو پبلک میں انہیں کہنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی اس کے برعکس ڈائری لکھنے والا اپنی نجی زندگی کے بارے میں لکھتا تھا اور اس میں وہ کسی بھی طرح سے خود کو برتر بنانے کی کوشش نہیں کرتا تھا' چونکہ ڈائری چھپنے کے لئے نہیں لکھی جاتی تھی' اس لئے اس میں اپنی اور خاندان کی نجی باتیں شامل کی جاتی تھیں' اس قسم کی ذاتی ڈائریاں' مسافر' تاجر اور خاندان کے سربراہ لکھتے تھے۔

روشن خیالی کے زمانے میں تعلیم کے لئے خطوط' سبق آموز اور اخلاقی کہانیاں اور مختلف قسم کی لغتوں کو استعمال کیا جاتا تھا' تاکہ ان کے مطالعہ سے لوگ ذہنی طور پر وسیع خیال ہوں' فلسفی تعلیم کے لئے دلیل' ثبوت اور مشاہدہ کو اہمیت دیتا تھا' تاکہ معاشرے میں غور و فکر اور سوچنے کو فروغ ملے' روسو نے فلسفی کے اس رویہ کے خلاف کہا کہ سچائی صرف دلیل کے ذریعہ ہی دریافت نہیں ہوتی ہے' بلکہ اس کو پانے کے اور ذرائع بھی ہیں' اس کے نزدیک ایک فلسفی کی تعریف یہ تھی کہ وہ نہ تو کتابی ہوتا ہے' نہ ادیب' نہ سازشی' بلکہ وہ اپنے اندرونی جذبات کے تحت لکھتا ہے۔ ایک فلسفی آزاد ہوتا ہے اور یہی صفت اسے سچائی کی طرح لے جاتی ہے' آزاد ہونے کی حیثیت سے وہ دنیاوی خیالات سے دور ہوتا

ہے۔

روسو نے اپنی سوانح حیات لکھ کر اس صنف میں انقلابی تبدیلی رونما کی' کیونکہ اس میں اس کی پبلک زندگی بھی ہے اور نجی معاملات اور امور بھی۔ اس نے اپنی نجی زندگی کو پبلک میں لاکر احتساب کے لئے پیش کیا۔

اٹھارویں صدی میں فحش ادب بہت مقبول ہوا' اس کی اشاعت انقلابی ادب سے زیادہ ہوئی' فحش ادب کی کتابیں بازاروں میں خوب بکتی تھیں' اس لئے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ وہ کیا وجوہات تھیں کہ جن کی وجہ سے یہ ادب اس قدر پھیلا' کیا معاشرہ میں جنسی آزادی پر پابندی کی وجہ سے یا جنسی تعلقات کے بارے میں جو تعصبات تھے' اس کے ردعمل میں یہ لکھا گیا اور کیا اس کی مقبولیت سے انفرادیت کی غمازی ہوتی ہے؟ کیونکہ یہ ادب چھپ کر خاموشی سے پڑھا جاتا تھا' یہ ضرور ہوا کہ فحش ادب کی اشاعت نے جنسی گھٹن کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کیا' اس منافقت کو ظاہر کیا کہ جو معاشرے فحاشی کے بارے میں قائم تھی' اس لئے یہ فحش ادب اس دور کے سماجی رویوں کو ظاہر کرتا ہے کہ معاشرہ ظاہری طور پر کیا تھا اور اندرونی طور پر اس میں جنس کے بارے میں کیا خیالات تھے؟

اس دور کی ایک اہم خصوصیت دوستی کی روایت تھی۔ دوستی کی بنیاد سماجی مرتبہ' دولت' خاندان اور والدین کی خواہش پر ہوتی تھی' یہ دوستی ہمسایہ میں رہنے اور ذہنی ہم آہنگی سے بھی مضبوط ہوتی تھی' دوست ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے' اگر کسی کا دوست مر جاتا تو وہ اس کے بچوں کی پرورش اور دیکھ بھال کرتے ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرتے اور اس طرح اپنے دوست سے دوستی کا قرض چکاتے' دوست جھگڑوں کو ختم کرانے میں بھی اہم کردار ادا کرتے تھے' لیکن دوستوں کے اس قدر قریبی تعلق کے باوجود ان میں اور رشتہ داروں میں فرق رہتا تھا' کیونکہ رشتہ دار خون کے تعلق سے جڑے ہوتے تھے' جب کہ دوستوں کا تعلق ذہنی دوستی سے تھا' یہ دوستی اکثر اس قدر مضبوط ہوتی تھی کہ خاندان میں بطور وراثت ملتی تھی اور اس کی بنیاد پر خاندانوں میں شادی بیاہ کے ذریعے تعلقات و رشتے اور گہرے ہو جاتے تھے۔

اٹھارویں صدی میں ہنرمند' صنعت کار اور پیشہ وروں کی اپنی جماعتیں یا گلڈ ہوا کرتی تھیں' ان میں باہمی دوستی اور اعتماد ورکشاپ اور دکان پر کام کرنے سے پیدا ہوتا تھا' ان میں

سے بعض جماعتیں اور ان کے اراکین خفیہ علامات اور رسومات کے ذریعہ آپس میں اتحاد قائم رکھتے تھے' جیسے "فری میسن لاج" ان جماعتوں کی خصوصیت یہ تھی کہ ان میں برابری اور مساوات کا تصور تھا اور یہ خود کو ریاست کے کنٹرول سے آزاد کرنا چاہتی تھیں۔

"فری میسن" اس قدر جلدی مشہور اس لئے ہوا کہ یہ خاندان' چرچ اور دوسرے سلسلوں کو رد کرکے اپنی وفاداری پر اراکین کو جمع کرتا تھا' اس میں سماجی مساوات پر زور تھا اور تمام اراکین کو ان کی دولت اور خاندان سے علیحدہ کر کے دیکھا جاتا تھا' اگرچہ لاج میں عہدے اور رتبے تھے' مگر یہ صلاحیت اور کام پر ملا کرتے تھے' لاج نے اپنے کام کو اس طرح سے رکھا کہ ریاست نے کبھی اسے اپنے لئے خطرہ تصور نہیں کیا' یہ اپنے سربستہ رازوں اور افواہوں کے ساتھ باقی رہا' لاج میں ہر پیشے کے لوگ ہوا کرتے تھے' سرکاری عہدے داروں سے لے کر تاجر اور صنعت کار' مگر میسن خاندان کی جگہ نہیں لے سکا' کیونکہ اس میں عورتیں ممبر نہیں ہو سکتی تھیں۔

لوگوں کے ملنے' جمع ہونے' بات چیت کرنے اور بحث و مباحثے کے لئے ریسٹورنٹ اور کیفے ہاؤسز ہوا کرتے تھے' اس کے علاوہ کچھ امراء کے گھرانے تھے کہ جہاں دانشور مل کر بیٹھتے تھے' حکومت اور چرچ دونوں کیفے ہاؤسز اور ریسٹورنٹ کے قیام اور ان کی مقبولیت سے پریشان تھے' کیونکہ ایک تو ان کی وجہ سے لوگ آپس میں ملنے لگے تھے اور مختلف موضوعات پر کھل کر گفتگو ہونے لگی تھی' دوسرے ان کی وجہ سے چرچ میں لوگوں کی تعداد میں کمی آ رہی تھی' اس لئے ریاست اور چرچ دونوں کی وفاداری اس سے متاثر تھی۔

ایک اور اہم ادارہ جو اس دور میں مقبول ہوا' وہ کلب تھا' اس روایت کی ابتداء انگلستان سے ہوئی اور انقلاب کے دوران اسے فرانس میں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا' ہر کلب اپنی علیحدہ خصوصیت رکھتا تھا' اس لئے اس کے اراکین کی تعداد محدود ہوتی تھی اور ان کا انتخاب مشکل ہوا کرتا تھا' یہاں بھی اراکین صرف مرد ہوتے تھے' کلب کی میٹنگ کسی کیفے ہاؤس' شراب خانہ یا کسی عمارت میں ہوتی تھی۔ بعض کلبوں نے اپنی عمارتیں بنوا لیں تھیں' ان کا اولین مقصد سماجی تعلقات کو بڑھانا اور اکثر فرصت کے لمحات کو گذارنا تھا' کلب اور فری میسن میں فرق یہ تھا کہ یہاں بھائی چارہ' رسومات اور خفیہ علامتیں نہیں تھیں۔

عورتوں نے بھی ردعمل کے طور پر اپنے کلب اور فری میسن لاجز بنائے تھے۔ مشہور

عورتوں کے سیلون ہوتے تھے کہ جہاں عورتیں مرد دونوں آزاد ماحول میں ملا کرتے تھے' مگر عمومی طور پر اس وقت تک عورتوں اور مردوں کا آپس میں ملنا خطرناک تھا۔ مرد' مردوں کے ساتھ فرصت کے لمحات گذارنا چاہتے تھے' عورتیں روشن خیالی کے اس دور میں بھی پس منظر میں تھیں۔

اسکول نے بھی سماجی تعلقات کو پیدا کرنے میں حصہ لیا' ان تعلقات کی خصوصیات یہ تھی کہ ایک ہی عمر کے بچے مختلف کلاسوں میں پڑھتے تھے' جس کی وجہ سے ان میں باہمی میل ملاپ بڑھ جاتا تھا' اگرچہ کلاس میں مختلف خاندانوں اور سماجی حیثیتوں کے بچے ہوتے تھے' مگر ہم عمر ہونے کی وجہ سے ان میں ہم آہنگی کا احساس بڑھ جاتا تھا' لیکن جہاں اسکول کی فضا ان احساسات کو پیدا کرتی تھی' وہاں انہیں ختم کرنے میں بھی مدد دیتی تھی۔ یہ باہمی مقابلہ کی وجہ سے ہوتا تھا۔ ان میں نظم و ضبط رکھنے کی وجہ سے ان کی نگرانی ہوتی تھی' انہیں جسمانی سزائیں دی جاتی تھیں' جو کہ طالب علم خود دیتے تھے' اس کی وجہ سے طالب علموں کے باہمی تعلقات خراب ہو جاتے تھے اور رابطہ صرف طالب علم اور استاد کے درمیان رہ جاتا تھا۔

ماں باپ کا مفاد اس میں تھا کہ بچہ اچھی تعلیم حاصل کرے' زندگی میں نظم و ضبط کو پیدا کرے' دوستوں سے تعلقات بنائے کہ جو بعد میں بھی اس کے کام آئیں کیونکہ اسکول کی دوستی بعض اوقات زندگی بھر کی رفاقت ہوتی تھی۔ یہ دوست جب عملی زندگی میں کامیاب ہوتے اور اعلٰی عہدوں پر فائز ہوتے تو اس وقت اپنے اسکول کے ساتھیوں کی مدد کرتے تھے۔

فوجی اسکولوں میں' ریاست بچوں کو خاندان کی ذمہ داری سے علیحدہ کر کے انہیں فوجی تربیت دیتی تھی' تاکہ وہ ریاست کے وفادار ہوں اور اس کے لئے جنگ کر سکیں۔

امراء کے خاندانوں میں بڑا لڑکا چونکہ جائداد کا وارث ہوتا تھا' اس لئے وہ تعلیم پر زیادہ زور نہیں دیتا تھا' مگر دوسری اولاد کیریئر کے لئے تعلیم کو ضروری سمجھتے ہوئے اس پر توجہ دیتی تھی' فوج' انتظامیہ اور چرچ کے عہدے انہیں کے لئے ہوتے تھے۔

لڑکیوں کی تعلیم کے لئے کونوینٹ تھے کہ جن کی ابتداء سولھویں اور سترہویں صدیوں میں شروع ہوئی تھی' اس طرح انہیں بھی اس کا موقع مل جاتا تھا کہ وہ آپس میں ملیں اور باہمی طور پر ساتھ رہ کر کچھ وقت گذاریں۔

امراء کے گھر بڑے' کشادہ اور کئی کمروں پر مشتمل ہوتے تھے' مگر غریبوں کے گھر اکثر ایک کمرے پر مشتمل ہوتے تھے اور پورا گھرانہ اس کمرے میں رہا کرتا تھا' کسی نے غریبوں کے گھروں کے بارے میں لکھا ہے کہ "یہ ناممکن ہے کہ ان کے کمرے میں رہا جائے' کیونکہ وہ وہیں سوتے ہیں' کھاتے ہیں' کپڑے سکھاتے ہیں' کھانے پینے کی چیزیں رکھتے ہیں' جس کی وجہ سے یہاں انتہائی بدبو بس جاتی ہے۔"

دستور یہ تھا کہ لڑکا جیسے ہی بالغ ہوتا' وہ گھر چھوڑ جاتا تھا۔ لڑکے کے لئے یہ مناسب نہیں سمجھا جاتا تھا کہ وہ شادی کے بعد بیوی کو والدین کے گھر لائے' اس کے لئے ضروری تھا کہ اپنے لئے علیحدہ گھر کا بندوبست کرے' ساس اور بہو ساتھ میں نہیں رہتی تھیں اور اگر شادی کے بعد لڑکا گھر میں رہنا چاہے تو اسے والد کا ماتحت ہونا پڑتا تھا' گھر میں باپ کی حیثیت سربراہ کی ہوتی تھی' کھانے میں اسے بہترین حصہ دیا جاتا تھا' اس کے بعد باقی کھانا گھر کے دوسرے افراد کو ملتا تھا' گھر کا اچھا بستر بھی اسی کے لئے ہوتا تھا' باپ بچوں کی تربیت میں حصہ لیتا تھا اور انہیں گفتگو کرنے کے آداب سکھاتا تھا' بچوں کے لئے باپ کی اطاعت لازمی تھی۔

گاؤں اور شہر میں یہ دستور تھا کہ اگر کوئی مرد یا عورت ناجائز جنسی تعلقات میں ملوث پایا جاتا تو اس کے خلاف جلوس نکلا کرتا تھا' لوگ اور بچے اس پر مٹی پھینکا کرتے تھے اور اس کے گھر پر پتھراؤ کرتے تھے' اس کے خلاف نعرے بھی لگائے جاتے تھے' ایسے جلوسوں میں خاص طور سے نوجوانوں کی تعداد زیادہ ہوتی تھی' اس کا مقصد یہ تھا کہ معاشرہ کی اخلاقی قدروں کی حفاظت کی جائے۔

اگر کوئی بیوی اپنے شوہر کو پیٹتی تو اس صورت میں شوہر کو گدھے پر الٹا سوار کرا کے اسے گھمایا جاتا تھا اور اکثر یہی سزا عورت کو بھی ملتی تھی' اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرد کو عورت پر فوقیت تھی اور معاشرہ اس روایت کو برقرار رکھنا چاہتا تھا۔ بیوہ عورت کے ساتھ شادی کو برا سمجھا جاتا تھا' اگر وہ دوسری شادی کی کوشش کرتی تو چرچ اور معاشرہ دونوں اس کے خلاف ہو جاتے تھے۔

اگرچہ معاشرے میں طوائفیں ہوتی تھیں' مگر کبھی کبھی احتجاجاً" انہیں گدھے پر سوار کرا کے منہ پر شہد مل کر' اس پر پروں کو چپکا کر ان کا جلوس نکالا جاتا تھا' معاشرے کی اخلاقی

قدروں اور روایات کی حفاظت لوگ کیا کرتے تھے' مگر آہستہ آہستہ جب ریاستی اداروں نے قوانین بنانا شروع کر دیئے تو ان روایات کی حفاظت لوگوں کی بجائے ریاست کے پاس آ گئی۔

معاشرے میں جہاں زندگی بات چیت اور گفتگو سے جان دار ہوتی تھی' وہاں گفتگو کے ذریعہ دوستی ختم بھی ہوتی تھی' اور لوگوں کے درمیان تلخی بھی پیدا ہوتی تھی' جب لوگوں کے پاس فرصت کے لمحات ہوتے اور کچھ کرنے کو نہیں ہوتا تو بازاروں اور منڈیوں میں دوکانداروں سے چیزوں کی خریداری اور بھاؤ تاؤ میں بحث و مباحثہ کرکے اپنا وقت اور توانائی دونوں ضائع کرتے' یہ عادت اس وقت بھی تھی کہ گفتگو کرے کے علاوہ دروازوں میں بھی جاری رکھتے تھے' یہاں تک کہ رخصت ہوتے ہوتے بھی بات چیت جاری رہتی تھی' ہوٹلوں' چوراہوں اور راستوں پر لوگ ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے نظر آتے تھے۔

لوگ معاشرہ میں اپنی مقبولیت گفتگو کے ذریعہ پیدا کرتے تھے' ہر فرد کی یہ خواہش کہ لوگ اس کی بات سنیں' اس کی طرف متوجہ ہوں اور اس کی باتوں کو دھیان اور غور سے سنیں۔ اس جذبہ کی وجہ سے وہ اپنی گفتگو کو دلچسپ بناتا تھا' اس میں لطیفے و دلچسپ واقعات کو شامل کرتا تھا اور چرب زبانی سے کام لیتا تھا' اچھی گفتگو کرنے والے کو معاشرے میں پسند کیا جاتا تھا۔

الفاظ کے استعمال کے ذریعہ جہاں لوگوں کو خوش کیا جاتا تھا' وہاں انہیں کے ذریعہ لوگوں کی بے عزتی بھی کی جاتی تھی' الفاظ کا یہ استعمال گالیوں کے ذریعہ ہوتا تھا' اس میں کسی شخص کی سماجی حیثیت پر حملہ کیا جاتا تھا اور یہ حملہ اس لئے ہوتا تھا' تاکہ اس کی شہرت کو خراب کیا جائے اور خود اسے ذہنی اذیت و تکلیف دی جائے' عورتوں کی بے عزتی کرنے کا عام طریقہ یہ تھا کہ ان کی پاک دامنی پر حملہ کیا جائے' اس سے نہ صرف عورت بدنام ہوتی تھی' بلکہ اس کے ساتھ اس کا شوہر اور خاندان بھی بدنام ہوتا تھا۔

معاشرہ میں جب کسی کو گالی دی جاتی تھی تو اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہاں کون سی قدریں تھیں کہ جن کی معاشرے میں عزت تھی' مثلاً لوگوں کی ایمان داری' دوستی' وفاداری' سنجیدگی اور جسمانی خرابیوں کو نشانہ بنایا جاتا اگر کسی شخص کی عزت یا اس کی شخصی خوبیوں پر حملہ کیا جائے اور اس کی شہرت ہو جائے تو اس صورت میں وہ عملی زندگی میں نقصان اٹھاتا تھا' اگر کسی دکان دار کی یہ شہرت ہو جاتی کہ وہ کم تولتا ہے' چیزوں میں ملاوٹ

کرتا ہے تو اس کے گاہک کم ہو جاتے تھے' کسی دست کار کے بارے میں یہ پھیل جاتا کہ وہ کام چور' نکما اور سست ہے تو اس صورت میں لوگ اسے ملازم رکھتے ہوئے یا اس سے کام کراتے ہوئے گھبراتے تھے' اسی طرح اگر کوئی عورت بدچلن ہوتی تو اسے دوبارہ اپنی عزت بحال کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔

معاشرہ میں باعزت ہونے کی ہر شخص کو خواہش تھی۔ اس لئے وہ معاشرتی اور سماجی روایات کی پابندی کرتا تھا' تاکہ لوگ اس کی عزت کریں اور اس سے متنفر نہ ہوں' جب کبھی بھی کسی کی عزت پر حرف آتا تو وہ سب سے پہلی کوشش یہی کرتا تھا کہ اپنی عزت کو کیسے بحال کرے' عزت بحال کرنے کے لئے اسے خاصی جدوجہد کرنا پڑتی تھی اور اپنے بارے میں جو تاثرات قائم ہو جاتے تھے' انہیں دور کرنے کے لئے اپنے رویہ اور عادات کو بدلنا پڑتا تھا۔

اب تک تہذیب صرف دربار تک محدود تھی' امراء خود کو مہذب کہلا کر عوام سے دور ہو جاتا تھے' اس فرق کو ختم کرنے کے لئے اٹھارویں صدی میں یہ نظریہ مقبول ہوا کہ تہذیب کو صرف دربار تک محدود نہیں رکھا جائے' بلکہ اسے معاشرے میں عام کیا جائے' اس مرحلہ سے تہذیب کا ایک نیا تصور پیدا ہوا کہ عوام میں جو وحشیانہ پرتشدد اور فضول روایات ہیں' انہیں کیسے ختم کیا جائے؟ اور کس طرح ان کی جگہ ادب' آداب' ٹھہراؤ' وقار اور سنجیدگی کو لایا جائے' اس مقصد کے لئے یورپ میں یہ ذمہ داری پولیس کو سونپی گئی کہ وہ تہذیب کے پھیلانے کے عمل کی نگرانی کرے اور معاشرے کے مختلف گروہوں میں توازن پیدا کرے' امراء اور متوسط طبقے کے لوگ چونکہ خود کو مہذب سمجھتے تھے' اس لئے وہ پولیس کی اس نگرانی سے محفوظ رہے اور ان کی ساری توجہ عوام پر ہوئی کہ انہیں کس طرح قانون کی زد میں رکھ کر مہذب' اطاعت گذار اور عمدہ شہری بنایا جائے۔

پولیس کا یہ فرض ٹھہرا کہ وہ نظام کو تبدیل کئے بغیر تہذیبی عمل کے ذریعہ لوگوں میں خوشی و مسرت کے احساسات کو پیدا کرے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے پولیس نے لوگوں کے روزمرہ کے معاملات میں دخل اندازی شروع کر دی' تاکہ وہ ان کے رویوں کو بہتر بنائیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پولیس کی حفاظت و نگرانی نے لوگوں کو ہشیار اور چوکنا کر دیا اور بازاروں' ہوٹلوں اور مجمعوں میں ان کے رویوں میں سنجیدگی آ گئی۔

ساتواں باب: فرانسیسی انقلاب اور جدید عہد

فرانسیسی انقلاب نے جہاں سیاسی و معاشی تبدیلیاں رونما کیں' وہاں اس نے سماجی رویوں کو تبدیل کرنے میں بڑا حصہ لیا' ایک اہم تبدیلی جو اس انقلاب کے نتیجہ میں ہوئی' وہ لباس میں تھی' اب امراء کے شاندار اور قیمتی لباس کی جگہ سادہ لباس نے لے لی' فیشن اور قیمتی زیورات کا استعمال ختم ہو گیا' تاکہ معاشرے میں جو غیر مساویانہ روایات تھیں' ان کا خاتمہ ہو سکے' فوج میں یونیفارم کا رواج ہوا' گھروں میں انقلاب سے متعلقہ تصاویر' نایاب اشیاء انقلابی راہنماؤں اور قدیم ہیروز کی تصاویر بطور آرائش رکھی جانے لگیں۔

زبان کے استعمال میں تبدیلی آئی اور عام گفتگو میں آپ کی جگہ تو کا استعمال بڑھ گیا' اس نے طبقاتی فرق کو ختم کرنے کی کوشش کی اور لوگوں میں رابطہ اور ہم آہنگی زیادہ بڑھ گئی' کیونکہ اس نقطہ نظر میں اپنائیت اور قربت تھی' ایک اور اہم تبدیلی یہ تھی کہ مخالفین کے لئے فحش زبان استعمال ہونے لگی' خصوصیت سے امراء اور شاہی خاندان کے افراد کے لئے تاکہ اس طرح سے ان کا وقار اور عظمت ختم ہو۔

فرانسیسی انقلاب کے دوران جو سماجی تبدیلیاں آئیں' ان میں خاندان کے نقطہ نظر سے اہم تبدیلی یہ تھی کہ اب شادی مذہبی سے سیکولر ہو گئی اور اس کی رجسٹری میونسپل افسر کے سامنے ہونے لگی' جو شادی کے مکمل ہونے کا اعلان کرتا تھا' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چرچ کا اثر کمزور ہوا اور ریاست خاندان کی تشکیل میں حصہ لینے لگی' اسی طرح اگر کوئی کسی بچہ کو اپنا

بنانا تھا تو اس کے بارے میں اسے قانونی کارروائی کرنا پڑتی تھی' طلاق کے قوانین بھی ریاست نے تشکیل دیئے' والدین کے حقوق کا تعین کیا اور بچوں کو ریاست نے اپنی ذمہ داری میں لے کر ان کی تعلیم و تربیت کی' اس سے ریاست نے چرچ کے اثر کو ختم کر دیا اور والدین کی وہ طاقت جو بچوں پر تھی' وہ کمزور ہو گئی' چونکہ اب شادی لڑکے و لڑکی کی مرضی سے ہونے لگی اس لئے خاندانوں کا اس میں عمل دخل نہیں رہا۔ دو افراد یہ معاہدہ کرتے تھے اور اگر وہ اس سے خوش نہیں ہوتے تو اسے آسانی سے توڑ بھی سکتے تھے۔

اس زمانہ میں انگلستان میں "ہوم سویٹ ہوم" کا تصور ابھرا کہ جس میں عورت کی جگہ گھر مقرر ہوئی اور مرد کی یہ ذمہ داری ٹھہری کہ وہ ملازمت کرے' کمائے اور خاندان کی پرورش کرے' عورت کو گھر میں رکھنا اس لئے ضروری ٹھہرا' کیونکہ باہر کی دنیا اخلاقی برائیوں سے گھری ہوئی تھی' اگر عورت گھر کی حفاظت سے نکل کر باہر جاتی تو اس کا خطرہ تھا کہ اس کے اخلاق خراب ہوں گے اور وہ برائیوں میں ملوث ہو جائے گی' ان حالات میں اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ گھر میں رہے' کیونکہ یہاں رہتے ہوئے ہی وہ اپنی پاکیزگی اور اخلاقی خوبیوں کو برقرار رکھ سکتی تھی۔

لہٰذا متوسط طبقوں اور امراء کے گھروں میں سونے' کھانے' بیٹھنے اور افراد کے علیحدہ کمروں کا بندوبست کیا جانے لگا' چونکہ باہر کی دنیا مرد کے لئے تھی اور گھر عورت کے لئے' اس لئے یہ اس کی ذمہ داری تھی کہ وہ گھر کے ماحول کو خوشگوار رکھتے ہوئے خاندان کے اتحاد کو برقرار رکھے' گھر میں جہاں اس کا کام گھریلو فرائض سرانجام دینا تھا' وہاں گھر کی آرائش کی چیزیں تیار کرنا بھی اس کی ذمہ داری تھی۔

ولیم کوبیٹ نے گھر اور خاندان کو خوشگوار بنانے کے لئے اس بات پر زور دیا کہ گھریلو دست کاری و صنعت کو فروغ دیا جائے' تاکہ اس سے گھر اور خاندان کی مالی حالت بہتر ہو' اس کی کتاب "گھریلو دست کاری" میں تفصیلات درج ہیں' مثلاً یہ کہ بیر کیسے بنائی جائے؟" اس کا کہنا تھا کہ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ مرد بیر پینے کے لئے گھر پر ہی رہیں گے اور شراب خانہ نہیں جایا کریں گے' عورت کو اچھی روٹی پکانا آنا چاہئے' جو یہ کام نہیں کر سکتی ہے اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا ہے اور وہ معاشرے پر ایک بوجھ ہے' عورت کا خوب صورت ہونا ہی ضروری نہیں بلکہ اسے گھریلو کام بھی آنا چاہئیں' کسی مرد کے لئے گھر کا سب سے

خوبصورت تصور یہ تھا کہ جب وہ سردیوں میں دن بھر کی محنت کے بعد ٹھٹھرتا ہوا گھر آئے تو وہ آتش دان کے قریب اپنی بیوی' بچوں کے ساتھ بیٹھ کر سکون و آرام حاصل کرے۔

متوسط طبقہ میں عورت کے بارے میں یہ خیال تھا کہ وہ ایسے کام تو کر سکتی ہے جہاں وہ تنہا ہو یا عورتوں کے درمیان ہو' مگر مردوں کے ساتھ یا ان کے درمیان کام کرنا اخلاقیات کے خلاف تھا' اسی لئے جب یہ حقائق سامنے آئے کہ عورتیں کانوں میں مردوں کے ساتھ کام کرتی ہیں تو اس پر ہنگامہ ہوا' کانوں میں کام کرنے والے مردوں کا بھی یہ مطالبہ تھا کہ ان کی عورتوں کو گھر پر رہنے اور اچھی زندگی گذارنے کا حق ہے' لہٰذا انہوں نے بھی عورتوں کے کام کی مخالفت کی اور ساتھ میں اپنی تنخواہوں میں اضافہ پر زور دیا' اس کے پس منظر میں یہ بھی تھا کہ اگر عورتیں کام نہیں کریں گی تو مردوں کی اہمیت کم ہو جائے گی' اس لئے جب ۱۸۴۰ء میں انگلستان میں جو قوانین پاس ہوئے' اس کے نتیجہ میں مرد کام کرنے اور کمانے کا ذمہ دار ٹھہرا اور عورتیں گھروں میں بہو' ماں اور بیوی کی حیثیت سے خاندان کی دیکھ بھال کے لئے ذمہ دار ٹھہریں' اس صورت حال کو برقرار رکھنے میں ریاست' متوسط طبقہ اور مصلحین سب ہی شامل ہیں۔

گھریلو زندگی نہ صرف متوسط طبقے کے لئے باعث سکون رہی' بلکہ امراء اور طبقہ اعلیٰ نے بھی اس کو اپنا لیا تھا' جس کا اظہار ان کے تعمیر شدہ گھروں سے ہوتا ہے' اب خاندان اور اس کے افراد کی زندگی بالکل نجی ہو گئی اور اس میں باہر کے شخص کو داخل نہیں کیا جا سکتا تھا اور اگر کسی کو اس میں شامل کیا جاتا تو یہ ایک اعزاز کی بات ہوتی تھی۔

نئے تعمیر شدہ گھروں کی خصوصیت یہ تھی کہ ان میں ملازموں کے لئے اوپر کی منزل ہوتی تھی اور آنے جانے کے لئے علیحدہ سے زینہ' اس لئے وہ گھروں میں نظر نہیں آتے تھے' ان کی وہی جگہ ہوتی تھی کہ جہاں وہ کام کرتے تھے' بچوں کے کمرے والدین کے ساتھ ہوا کرتے تھے' غیر شادی شدہ لوگوں کے کمرے علیحدہ ہوا کرتے تھے' تمباکو پینے کا کمرہ صرف مردوں کے لئے مخصوص تھا' جب کہ صبح کے کمرے عورتوں کے لئے ہوتے تھے' گھر عورتوں اور مردوں میں تقسیم ہو گیا تھا' صرف باغ میں مرد و عورتیں ساتھ بیٹھتے تھے۔

لہٰذا انیسویں صدی میں نجی زندگی کا مرکز خاندان اور گھر بن چکا تھا' خاص ماحول میں افراد کے کردار' رسومات' عادات اور زبان کی تشکیل ہوئی' گھر اور خاندان کا معاشرے پر اس

قدر گہرا اثر تھا کہ قدامت پسند آزاد خیال اور وسیع النظر سب ہی نے اس کی تعریف کی' اگرچہ خاندان کی مطلق العنان حیثیت کے خلاف افراد نے بغاوت بھی کی اور اس بات کی جدوجہد کی کہ وہ اپنا راستہ انفرادی طور پر خود متعین کریں گے' مگر ان بغاوتوں اور اختلافات کے باوجود خاندان کا ڈھانچہ برقرار رہا۔

خاندان کے بارے میں ہیگل نے اپنی کتاب (Principles of the philosophy of Rights. 1821) میں اس طرح سے اظہار رائے کیا ہے کہ اگر خاندان نہ ہو تو ریاست کو بیشتر افراد سے واسطہ پڑے گا' جو کہ مجمع ہو گا اور جس کو نظم و ضبط میں لانا مشکل ہو گا' اس لئے ریاست کے استحکام کے لئے خاندان کا ہونا ضروری ہے' جو کہ افراد کو اپنے تحت رکھتا ہے اور اخلاقیات کا تحفظ کرتا ہے' اس لئے شادی خاندان کی مرضی سے ہونی چاہئے' باپ کی سربراہی کو تسلیم کرنا چاہئے۔

کانٹ نے بھی خاندان کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے یہ دلیل دی کہ فرد کے لئے خاندان اس لئے ضروری ہے کیونکہ اس سے فرد کے فرار ہونے کے جذبات ختم ہو جاتے ہیں اور اس کی جڑیں مضبوط ہو کر اس میں نظم و ضبط پیدا کرتی ہیں' چونکہ خاندان قوانین کے ماتحت ہوتا ہے۔ اس لئے یہ انسانی فطرت کی وحشت کو ختم کر دیتا ہے' یہ عورتوں کے لئے اس لئے ضروری ہے کہ یہ ان کی خواہشات ختم کر کے انہیں گھریلو کاموں میں معروف رکھتا ہے۔

سوشلسٹ نظریات رکھنے والے خاندان کے مخالف تھے کیونکہ اس میں عورت کا درجہ برابر کا نہیں تھا اور اسے مرد کے تابع رہنا پڑتا تھا' چونکہ وہ مرضی کی شادی اور طلاق کی آزادی کے قائل تھے' اس لئے خاندان کے جبر کے خلاف تھے' ان کی دلیل تھی کہ جب تک عورت آزاد نہیں ہو گی' اس وقت تک معاشرہ ترقی نہیں کر سکے گا اور عورت جب ہی آزاد ہو گی جب خاندان کی روایتی اقدار ٹوٹیں گی۔

ریاست خاندان کو اپنے استحکام کے لئے ضروری سمجھتی تھی' چونکہ خاندان کا تعلق پیداوار سے تھا اس لئے یہ معیشت کو حرکت میں رکھتا تھا اور دولت کو ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل کرتا تھا' یہ ایک پیداواری آلہ کے طور پر بچوں کو پیدا کرتا' ان کی تعلیم و تربیت کے بعد انہیں اچھا شہری بناتا تھا' نسل کی پاکیزگی کو برقرار رکھنے کے لئے یہ خود کو

دوسرے عناصر سے آلودہ نہیں کرتا تھا' خاندان قومی شعور کو پختہ کرنے کے لئے بھی ضروری تھا' کیونکہ یہیں سے بچوں میں قومی علامتوں کی اہمت پیدا ہوتی تھی اور یہیں سے قومی کلچر کے بارے میں رائے پختہ ہوتی تھی' جس خاندان کی شہرت ہوتی' اس کے افراد اس بات کی کوشش کرتے کہ وہ اچھے اوصاف اور خوبیوں کی حفاظت کریں' تاکہ ان کا اور ان کے خاندان کا نام بدنام نہ ہو' اس بنیاد پر ان افراد کی عزت ہوتی اور اس کے سہارے وہ معاشرے میں مراعات حاصل کرتے اور اعلیٰ عہدوں پر متعین ہوتے' ان وجوہات کی بناء پر ریاست خاندان کے ادارے کو مستحکم رکھتے ہوئے اس کے ذریعہ سے خود کو مضبوط رکھے ہوئے تھی۔

صنعتی دور میں بھی خاندان کا ادارہ کمزور نہیں' بلکہ مضبوط ہوا' کیونکہ اس زمانے میں بھی گھر کا گذارا باپ کی تنخواہ پر ہوتا تھا اور لڑکا جیسے ہی کمانے کے قابل ہوتا اس کی آمدن سے گھر کی خوش حالی میں اضافہ ہو جاتا تھا' اس لئے مزدور طبقے میں بچوں کی شرح پیدائش زیادہ تھی اور والدین بچوں کی مزدوری کے حامی تھے' کیونکہ اگر بچے کام نہ کرتے تو ان کی آمدنی گھٹ جاتی تھی' چونکہ عورتوں کی مزدوری میں بچے کی پیدائش کی وجہ سے وقفہ ہو جاتا تھا' اس لئے اس کی آمدنی کم ہو جاتی تھی اور یہ اس سماجی رتبہ کو بڑھانے میں ایک رکاوٹ تھی۔

انیسویں صدی میں سرمایہ دار خاندان کا تجارت کی ترقی میں حصہ رہا' یہ خاندان باہمی شادیاں کر کے تجارتی اداروں یا فرقوں کو متحد کرتے تھے' یہ ضرور تھا کہ اگر تجارت باصلاحیت افراد کے ہاتھوں میں ہوتی تو ترقی ہوتی' ورنہ اس کا زوال ہو جاتا۔

اس کے علاوہ بھی خاندان دوسرے مقاصد پورے کرتا تھا' اس میں جنسی خواہشات کا پورا ہونا اہم تھا' کیونکہ اس میں نہ دھوکہ ہوتا تھا اور نہ جنسی اسکینڈل' ڈاکٹر شادی کی حمایت کرتے تھے کیونکہ اس سے افراد بے لگام جنسی تعلقات سے بچ جاتے تھے۔ اور اپنی صحت اور نسل کو صحت مند رکھتے تھے' اس وجہ سے مرد اور عورت دونوں کے لئے باعصمت ہونا قابل تعریف ہو گیا۔

جو خاندان ایک جگہ نہیں ہوتے تھے اور اس کے افراد بکھرے ہوئے ہوتے تھے' وہ اپنا رابطہ خط و کتابت کے ذریعہ رکھتے تھے۔ ڈاک خانہ نے خط و کتابت اور رابطہ میں سہولت

فراہم کر دی تھی' اس کی وجہ سے دور رہنے والے افراد خطوط کے ذریعہ اپنی خیریت بھیجتے رہتے تھے' اس طرح وہ خاندان کی حالت سے باخبر رہتے تھے' وہ بچے جو تعلیم کے لئے باہر گئے ہوئے ہوتے تھے وہ پابندی سے خط لکھا کرتے تھے' خاص خاص خبریں جو ان خطوط میں ہوتی تھیں' ان میں پیدائش' شادی' موت' امتحان میں کامیابی' ملازمت اور بیماری ہوا کرتی تھیں' یہ خط ایک فرد کے لئے نہیں بلکہ پورے خاندان کے لئے ہوتے تھے اور انہیں سب ہی پڑھا کرتے تھے۔

خاندان کے افراد کا آپس میں ملتے رہنا ان کے اتفاق کی علامت تھی' خاص طور سے مذہبی و نسلی اقلیتیں آپس میں اتحاد رکھتی تھیں' کیونکہ اس کے بغیر ان کی بقا اور زندگی مشکل تھی' اس زمانہ میں جب فوٹوگرافی آئی تو اس نے خاندان کے لوگوں کی تصاویر کو محفوظ کر دیا۔ بیسویں صدی میں خاندانی البم مقبول ہو گئے' ورنہ اس سے پہلے صرف دولت مند مصوروں سے اپنی تصاویر بنوا کر خود کو بطور یادگار محفوظ رکھتے تھے۔

مشہور خاندانوں نے اپنی انفرادیت کو برقرار رکھنے کے لئے اور تاریخ میں اپنا نام بطور یادگار محفوظ رکھنے کے لئے اپنی خاندانی تاریخیں لکھوانا شروع کر دیں' اسی طرح ان خاندانوں نے اپنے علیحدہ سے قبرستان بھی کر لئے' تاکہ مرنے کے بعد یہ گمنام نہ رہیں اور ان کی یادگاریں باقی رہیں۔

ابتداء میں خاندان کی اہمیت فرد سے زیادہ ہوا کرتی تھیں اور اس کی یہ ذمہ داری ہوتی تھی کہ وہ خاندان کی عزت اور اس کے وقار کا تحفظ کرے' خاندان میں باہمی جھگڑے' پیسہ اور جائداد کی تقسیم کی وجہ سے ہوا کرتے تھے۔ شادی کو جائداد بڑھانے اور اسے محفوظ رکھنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا' خاص طور سے دولت مند خاندانوں میں۔ جو خاندان غریب ہوتے تھے ان میں اسی قدر اخلاقی قدریں بھی کم ہوتی تھیں' جیسے ہی ان کا سماجی مرتبہ بڑھتا' اسی طرح وہ قانون' اخلاقیات اور آداب کا خیال کرنے لگتے تھے۔ اس وقت تک تجارت اور خاندان آپس میں ملے ہوئے تھے۔ اس لئے عزت و وقار کو برقرار رکھنے کے لئے ایمان داری بڑی ضروری تھی۔ خاندان اگر مقروض ہوتے تو قرضہ ادا کرتے اور بے ایمانی سے بچتے تھے' مگر جیسے ہی تجارت اور خاندان علیحدہ ہوئے تو اس کے ساتھ ہی عزت و وقار بھی اس سے علیحدہ ہو گئے۔

انیسویں صدی میں باپ خاندان کی سربراہی کرتا تھا' قانون' فلسفہ اور سیاست کے تحت اس کی اتھارٹی کو تسلیم کیا جاتا تھا اور ہر مکتبہ فکر اس کو قانونی و اخلاقی جواز فراہم کرتا تھا' یہ باپ کا کام تھا کہ وہ بچے کو کوئی نام دے' اس لئے کانٹ کے نظریہ کے مطابق قانونی پیدائش ہی صحیح پیدائش تھی' سیاست دانوں کی دلیل یہ تھی کہ باپ کی طاقت کو مضبوط کر کے ریاست اچھی طرح سے شہریوں کو وفادار بنا سکتی ہے۔

اس وقت تک سیاست صرف مردوں میں محدود تھی' لہٰذا سیاسی معاملات پر عورتوں سے گفتگو نہیں ہوتی تھی' باپ کی موت خاندان میں ایک اہم واقعہ ہوا کرتی تھی کیونکہ اس کے بعد خاندان بکھر جاتا تھا' بیوہ اکیلی رہ جاتی تھی' اکثر لڑکے باپ کے مرنے کو اپنے لئے اچھا سمجھتے تھے کیونکہ وہ ہر طرح کی پابندیوں سے آزاد ہو جاتے تھے اور اس کے بعد وہ اپنا گھر آباد کر کے خود باپ کا کردار ادا کرتے تھے۔

گھر کا تصور بڑا وسیع تھا اور اس میں چچا' چچی' چچازاد بہن' بھائی اور بعض اوقات ہمسائے بھی شریک ہوتے تھے۔ گھروں میں کتے' بلیاں اور پرندوں کو پالنے کا رواج تھا۔ اس وجہ سے عوام میں ان کی دیکھ بھال کے بارے میں احساسات پیدا ہو گئے تھے اور ان کو خاندان کا رکن سمجھا جانے لگا تھا۔

خاندان میں دولت اور سماجی مرتبہ کے حساب سے ملازم ہوا کرتے تھے' یہ امراء کی عورتوں کی گھریلو کام کاج سے فرصت دے دیتے تھے اور ان کو یہ موقع مل جاتا تھا کہ وہ لوگوں کو اپنی دولت اور شان و شوکت بتائیں' ملازم سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ خاندان کا وفادار رہے' وہ ملازم جن کی عزت کی جاتی تھی ان میں ٹیوٹر اور آیائیں ہوا کرتی تھیں' جب معاشرے میں جبری تعلیم کا سلسلہ ہوا تو گھر پر پڑھانے کا سلسلہ ختم ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی ٹیوٹروں کا طبقہ بھی ختم ہو گیا' گھروں میں جن لڑکیوں کو بطور استاد اور آیا رکھا جاتا تھا ان سے اکثر کے ساتھ گھر کا مالک جنسی تعلقات قائم کرنے کی کوشش کرتا تھا' اس ڈر سے ان میں اکثر خود کو غیر دلکش اور غیر جاذب بنانے کی کوشش کرتی تھیں۔

گھر میں نچلے درجہ کے ملازمین گھر کے حالات اور رازوں سے واقف ہوتے تھے' مگر ان سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ ان رازوں کی حفاظت کریں' ابتداء میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ ان ملازموں میں کوئی جنسی جذبات نہیں ہوتے ہیں' اس لئے اکثر مالکن ملازم کو غسل خانے میں

بلا لیتی تھی کہ وہ اس کو غسل کرانے میں مدد کرے' بعد میں یہ رواج ختم ہو گیا اور مرد و عورت ان سے اپنی برہنگی چھپانے لگے۔ ایک اچھی اور پاکباز عورت سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ کسی غیر مرد کو اپنی خواب گاہ میں نہ آنے دے اور خود ہی اپنا بستر بھی ٹھیک کرے' کچھ عرصہ بعد ملازموں کو بلانے کے لئے گھنٹی کا استعمال ہونے لگا' اس طرح آہستہ آہستہ ملازم نجی زندگی سے نکال دیے گئے اور گھریلو معاملات میں ان کے عمل دخل کو برا سمجھا جانے لگا' مگر ساتھ ہی میں ملازم کی شخصیت کو جسے پہلے تسلیم نہیں کیا جاتا تھا' اسے مان لیا گیا اور یہ بھی احساس ہو گیا کہ ان کے بھی جذبات ہوتے ہیں' ورنہ اس سے پہلے ملازم کی انفرادیت سے انکار کیا جاتا تھا اور جب وہ ملازمت شروع کرتا تھا تو اس کا پہلا اور آخری نام ختم کر دیا جاتا تھا اور مالک اسے نیا نام دیتا تھا' اس کے بعد سے ملازم کی اپنی زندگی کوئی نہیں ہوتی تھی' اس کا وقت خاندان کے لئے وقف ہو جاتا تھا۔

اگر ملازمہ سے مالک کے تعلقات ہو جاتے اور بچہ پیدا ہو جاتا تو اس صورت میں اسے ملازمت سے برخواست کر دیا جاتا تھا یا مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ خاموش رہے' گھریلو ملازمائیں خاندان کی بے انتہا وفادار ہوتی تھیں اور بچوں کو اپنا سمجھ کر ان کی پرورش کرتی تھیں۔

جب مالک اور ملازم میں فاصلہ بڑھ گیا تو یہ ذاتی وفاداری ختم ہو گئی اور ملازم اگر ناخوش ہوتا تو دوسری جگہ چلا جاتا' اپنے حقوق کے حصول کے لئے وہ مطالبات کرتا اور کبھی کبھی مالک کے احکامات سے گریز بھی' اس رویہ نے آگے چل کر اس میں انفرادی شعور کو پیدا کیا۔

فوج' اسکول' قید خانہ اور دوسرے اداروں میں عورتوں اور مردوں کو علیحدہ رکھا جاتا تھا۔ یہاں پر رہنے والوں کے لئے نظم و ضبط لازمی تھا۔ فوج اور چرچ کے لوگوں کو باہر کی دنیا سے علیحدہ رکھا جاتا تھا اور اس بات کی نگرانی کی جاتی تھی کہ وہ ایک دوسرے سے بات نہ کریں' قید خانے میں ہر قیدی کو علیحدہ کوٹھری میں رکھا جاتا تھا اور دروازے میں سوراخ کے ذریعہ ان کی نگرانی کی جاتی تھی' جہاں پر میل جول اور رابطے پر پابندیاں ہوں' وہاں پر رابطہ یا تو تحریروں کے ذریعہ کیا جاتا تھا یا دیواروں پر تصاویر اور نشانات بنا کر اپنے جذبات کا اظہار کیا جاتا تھا' اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قیدی' فوجی' طالب علم' راہب اور نن کی نجی زندگی بڑی محدود ہو گئی ہوتی تھی۔

اکثر لوگ شادی کرتے تھے کیونکہ کنوارا رہنا اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا' اس لئے بالغ شخص

شادی کر کے اپنا گھرانہ آباد کرنا چاہتا تھا' اگرچہ چرچ کی روایت میں کنوارے پن کو اچھا کہا جاتا تھا' مگر معاشرے میں اسے لوگ خشک پھل کہتے تھے اور ان کے بارے میں یہ خیال تھا کہ یہ عیاش اور خود غرض ہوتے ہیں اور ان کا کام عاشقی کرنا' سفر کرنا اور بے فکری کی زندگی گذارنا ہے' اس کے برعکس لڑکیاں شادی کے انتظار میں فکر' پریشانی اور خوف کے عالم میں رہتی تھیں۔

معاشرے کے طریقہ زندگی میں دو قسم کے رجحانات پیدا ہو گئے تھے' ایک بورژوا اور دوسرا بوہیمیائی۔ بوہیمیائی محض لباس اور کھانے پینے میں کسی ادب' آداب کا قائل نہیں تھا' اس کا زیادہ وقت ہوٹلوں' کیفوں اور شہروں کی شاہراہوں پر گذرتا تھا چونکہ یہ لوگ کسی پیشہ میں دلچسپی نہیں لیتے تھے اور ملازمت سے گریز کرتے تھے اس لئے ان کے پاس پیسہ کی کمی رہتی تھی' ان کے پاس نہ تو گھر ہوتا تھا نہ فرنیچر' اس لئے وہ اپنا تھوڑا بہت سامان ساتھ لئے پھرتے اور کبھی کبھی آپس میں مل کر رہتے تھے' ان لوگوں کو نجی جائداد سے نفرت تھی اور جو کچھ پاس ہوتا اس میں سب کو شریک کرتے تھے۔ ان کے ساتھ جو عورتیں ہوتی تھیں' وہ بھی ایک کے پاس نہیں رہتی تھیں' بلکہ ہرایک کے پاس خوشی سے جا کر وقت گذارتی تھیں۔

بوہیمیائی لوگوں کے ساتھ ساتھ لوگوں کی ایک جماعت اور بھی تھی' جو بانکے کہلاتے تھے' یہ لوگ بھی بورژوا طریقہ زندگی کے خلاف تھے' مگر ان کا تعلق امراء کے طبقے سے تھا اور یہ اپنی دولت کی بناء پر خاندانی روایت سے ہٹ کر زندگی گذارنا چاہتے تھے' اس لحاظ سے بانکا بنتا نہیں تھا' بلکہ پیدا ہوتا تھا' یہ اپنے لباس پر خصوصی توجہ دیتے تھے' تاکہ اس کے ذریعہ وہ اپنی شخصیت کو ابھار سکیں' لباس میں یہ دستانے' چھڑی' اسکارف اور مختلف قسم کی ٹوپیوں کا استعمال کرتے تھے' لباس پہننے میں یہ تقریباً دو گھنٹے صرف کرتے تھے' ان کا جسم کی صفائی اور کپڑوں کے استعمال پر بہت زیادہ دھیان ہوتا تھا' چونکہ اس طرز زندگی کے لئے پیسہ اور فرصت دونوں کی ضرورت ہوتی تھی' اس لئے صرف مال دار گھرانے کے نوجوان اس کو اختیار کرتے تھے' مگر یہ لوگ روپیہ کی جانب حقارت کے جذبات رکھتے تھے اور سرمایہ دارانہ و بورژوا طریقوں کے خلاف تھے' تجارت اور خاندان کی زندگی سے نفرت کرتے تھے' شادی کو قید کی شکل میں دیکھتے اور عورتوں کو زنجیریں کہتے تھے کہ جو آزادی کو ختم کر دیتی

ہیں۔

بانکا پن معاشرے میں ایک رومانوی روایت بن گئی تھی اور اس کی وجہ سے کنوارہ پن اور غنڈہ گردی معیاری ہو گئی تھی۔

بانکے پن بورژوا معاشرہ اور خاندانی نظم و ضبط کے خلاف بغاوت کر کے اپنے جذبات کا اظہار کیا' مگر انہوں نے معاشرے کو تبدیل کرنے کی بات نہیں کی بلکہ اپنی علیحدہ دنیا آباد کر کے اس سے دور ہو گئے' لوگوں کا رویہ ان دونوں کی جانب سے مخالفانہ رہا اور یہ محدود ہوتے ہوئے وقت کے ساتھ ختم ہو گئے۔

عورت کے لئے معاشرے میں تنہا رہنا خطرناک تھا' لوگ اسے شبہ کی نظر سے دیکھتے تھے' کنواری عورت جس کی عمر گذر جائے' اسے غیر پیداواری سمجھا جاتا تھا۔ عورتیں' مردوں سے زیادہ عرصہ زندہ رہتی تھیں' مگر ان کی دوبارہ شادی کم ہی ہوتی تھی' امیر بیواؤں کی زندگی تو ٹھیک سے گذر جاتی تھی مگر غریبوں کے لئے مصیبت تھی' اس وقت تک عورتوں کے لئے ایسی ملازمت نہیں تھی کہ جہاں سے انہیں آخری عمر میں پنشن مل جاتی' گھر کے کام کاج کو مفت سمجھا جاتا تھا' اس لئے غریب عورتیں خیرات پر گذر بسر کرتی تھیں۔

جو عورتیں' نرس' سماجی کارکن اور استاد کی حیثیت سے کام کرتی تھیں وہ خاندان سے علیحدہ ہو کر تنہائی کی زندگی گذارتی تھیں' اکثر یہ غیر شادی شدہ رہتی تھیں' مرد ایسی عورتیں چاہتے تھے کہ جو گھر پر رہیں اور کام نہ کریں' جوان عورتیں شادی کی خواہش مند ہوتی تھیں تاکہ انہیں شوہر کی صورت میں محافظ مل جائے' اس میں ان کے ساتھ اکثر دھوکہ ہوتا تھا اور مرد وعدے کر کے مکر جاتے تے۔ تنہا عورتیں مل کر بھی رہا کرتی تھیں' تاکہ ان میں عدم تحفظ کا احساس نہ ہو۔

ایک بورژوا مرد کے مثالی زندگی یہ تھی کہ جب وہ اپنی ملازمت یا کاروبار سے گھر میں آئے تو یہاں اسے سکون و مسرت ملے اور وہ تمام فکروں سے آزاد ہو کر اپنے خاندان کے ساتھ وقت گذارے' اس وقت ایک متوسط گھرانے میں تین ملازم ضرور ہوتے تھے۔ ایک کوچوان' ایک باورچی اور ایک ملازمہ' یہ مالکن کی ذمہ داری تھی کہ وہ ان ملازموں کی نگرانی کرے' شریف عورتیں صبح کے وقت گھر سے نہیں نکلا کرتی تھیں' اگر اتفاق سے کسی کو صبح کے وقت نظر آ جائیں تو ان کے ساتھ سلام دعا نہیں کی جاتی تھی۔ یہ فرض کر لیا جاتا

کہ وہ کسی مذہبی یا خیراتی کام میں مصروف ہیں' جس پر گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

کھانے کا خاص وقت مقرر تھا اور اس وقت پورا خاندان کھانے کے کمرے میں جمع ہو جاتا تھا' باہر کے لوگوں کو خاندان کے لوگوں کے ساتھ دعوت نہیں دی جاتی تھی' چھٹی یا اتوار کے دن سب گھر والے آپس میں مل کر بیٹھتے تھے اور دوستوں سے بھی ملاقاتیں کرتے تھے۔

دن میں جب مہمان ملنے کے لئے آتے تو ان کی خاطر تواضع' سینڈوچز' کیکس اور بسکٹوں سے ہوتی تھی' بعض مہمان ۱۵ منٹ سے آدھ گھنٹے رہتے' پھر کہیں اور ملاقات کے لئے چلے جاتے' مشہور عورتوں کے سیلون ہوتے تھے' جہاں ادیب' شاعر اور عالم جمع ہوتے تھے' ان مجلسوں میں لوگ خاموشی سے آتے جاتے رہتے تھے' بڑی دعوتوں میں زیادہ مہمانوں کو بلایا جاتا تھا' لوگ سال میں دو یا تین بار ضرور ملاقات کرتے' تاکہ تعلقات قائم رہیں' اگر کوئی گھر پر نہیں ملتا تو ملاقاتی اپنا کارڈ کونے سے موڑ کر وہاں چھوڑ آتا تھا' اس کا مطلب تھا کہ وہ ذاتی طور پر وہاں آیا تھا' اگر کارڈ مڑا ہوا نہ ہو تو مطلب تھا کہ اس کا ملازم آیا تھا۔ ایک اعلیٰ خاندان کی عورت کا اکثر وقت اس قسم کی ملاقاتوں میں گذر جاتا تھا۔

شام کی تفریحات میں تھیٹر یا اوپیرا ہوا کرتے تھے' ایک عورت اکیلے تھیٹر جا سکتی تھی' بشرطیکہ وہ بوکس میں بیٹھے' ورنہ اسے کسی مرد کے ساتھ جانا ہوتا تھا' عورت کے لئے بوکس میں بیٹھنا اس لئے ضروری تھا کہ یہ اسے حفاظت کا احساس دیتا تھا' اس لئے باقی جگہ کھلی ہوتی تھی' اس لئے وہاں بغیر حفاظت کے پبلک عورت بن جاتی تھی' بوکس میں وہ ایسا محسوس کرتی کہ جیسے گھر میں ہو' یہاں وہ ملاقاتیوں سے ملتی بھی تھی۔

گرمیوں اور مذہبی چھٹیوں میں آرام کرنے اور فرصت میں وقت گذارنے کا احساس ہو گیا تھا' کرسمس کی چھٹیاں خاندان کی چھٹیاں ہوتیں تھیں' کرسمس درخت کی ابتداء اسکینڈے نیویا کے ملکوں سے ہوئی' وہاں سے یہ روایت جرمنی میں اور ۱۸۴۰ء میں فرانس میں آئی' آہستہ آہستہ یہ خاندانی تہوار بن گیا اور اس موقع پر ہر قسم کے کھانے پکانے اور گھر والوں کے ساتھ وقت گذارنے کی روایت مستحکم ہو گئی' ابتداء میں سینٹا کلازا کا کوئی وجود نہیں تھا' یہ بھی اسکینڈے نیویا سے شروع ہوا اور وہاں سے جرمنی و فرانس میں آیا۔

نئے سال کی مبارک باد کے لئے کارڈ بھیجنا ایک اخلاقی روایت ہو گئی' جو نہیں بھیجتا تھا اسے غیر مہذب سمجھا جاتا تھا' کرسمس کے علاوہ دوسرے جو تہوار منائے جاتے تھے' ان میں

ایسٹر اور اولیاء کے دن اہم تھے' آل سینٹ ڈے پر لوگ قبرستان جاتے تھے اور رشتہ داروں کی قبروں پر پھول رکھتے تھے' قبریں خاندان کو جاری رکھنے کی علامت تھیں' یہاں آ کر خاموشی میں غور و فکر کا بھی موقع ملتا تھا۔

امراء گھروں میں اپنی دیہی رہائش گاہوں پر چلے جاتے تھے' وہاں سے اکتوبر یا نومبر میں واپس آتے تھے' پیسے والے چھٹیاں گذارنے ساحل سمندر اور معدنیات کے چشموں پر جاتے تھے' تاکہ شہروں میں رہنے کی وجہ سے فطرت سے جو دوری ہو گئی' اس طرح فطرت سے رشتہ قائم ہو جائے' شہروں میں جیسے جیسے لوگوں کی مصروفیات بڑھیں' اسی کے ساتھ چھٹیوں کے بارے میں ان کی قدر و قیمت بڑھی اور اس قسم کی منصوبہ بندی شروع ہوئی کہ چھٹیاں کہاں اور کیسے گذاری جائیں؟

امراء و عام لوگوں کے درمیان فرق کو اب زیادہ محسوس کیا جانے لگا تھا کیونکہ یہ لوگ کلب' جوا خانے' کیفے اور ہوٹلوں کو اپنے لئے مخصوص کرنے لگے تھے کہ جہاں دوسرے لوگوں کو آنے کی اجازت نہیں تھی' ان جگہوں پر اکثر مرد ہوتے تھے' عورتیں نہیں' اگر عورت پبلک میں اکیلی نظر آ جائے تو پھر اس کا معاشرہ میں کوئی خاص مقام نہیں رہتا تھا' امراء نے خود کو عوام سے دور رکھنے کے لئے تھیٹروں' جہازوں اور حماموں میں اپنی جگہیں مخصوص کر لیں تھیں' اس طرح وہ علیحدہ رہ کر اپنی دنیا آباد کئے ہوئے تھے۔

مگر نجی زندگی مکان کے اندر ہی ہوا کرتی تھی' جو انسان کی حفاظت کرتی' اسے اطمینان خاموشی اور سکون عطا کرتی' مکان انسان کے لئے ایک بڑی نعمت تھا' کیونکہ یہ اسے صدیوں کی خانہ بدوشی کے بعد ملا تھا' یہ اسے شناخت مہیا کرتا تھا' گھر کے بعد فرد اور خاندان خود کو معاشرے سے کٹا ہوا محسوس کرتے تھے' اس لئے صنعتی دور میں جب فیکٹریاں بننی شروع ہوئیں تو صنعت کاروں نے اس کا خیال رکھا کہ ان میں مزدوروں کے مکانات ہوں' تاکہ وہ اطمینان سے کام کر سکیں' مکان کی وجہ سے خاندان کی زندگی منظم ہوئی اور منظم خاندان ریاست کے لئے وفادار ثابت ہوا۔

مکان سے خاندان کے سماجی مرتبہ اور ذہنی ترقی کا پتہ چلتا تھا کہ اس نے گھر کو کس طرح سے رکھا ہے اور اس کی آرائش کس طرح سے کی ہے' گھر فرد کی آزادی کی علامت تھا وہ اپنے گھر میں جو چاہے کرے' آہستہ آہستہ نئی ایجادات نے اسے اس قابل بنا دیا کہ وہ

گھر بیٹھے دنیا بھر کی معلومات حاصل کر سکتا تھا' کتابوں نے اسے باہر کی دنیا سے بے نیاز کر دیا تھا اور بعد میں فون کی سہولت کی وجہ سے اس کا رابطہ باہر کی دنیا سے ہو گیا۔

بورژوا طبقے کے مکانات سے غریبوں کے مکانات مختلف ہوتے تھے' جو گندگی و غلاظت میں گھرے ہوتے تھے' صفائی کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے بیماریاں پھیلتی تھیں' بیسویں صدی کے شروع میں مزدوروں نے دوسرے مطالبات کے ساتھ مکانات کا بھی مسئلہ اٹھایا اور کشادہ و ہوادار مکانوں پر زور دیا' چونکہ مزدوروں یا غریبوں کے مکانات چھوٹے ہوتے تھے اس لئے وہ وہاں پوری طرح سے لطف نہیں اٹھا سکتے تھے' اس لئے اس کا حل انہوں نے یہ نکالا کہ شہر کی کھلی جگہوں کو استعمال کرنا شروع کر دیا۔ ہوٹل' ریسٹورنٹ' باغ اور کھیل کے میدان' ان کی سرگرمیوں کے مراکز ہو گئے' ان غریبوں کے لئے شہر ایسا ہی تھا جیسے کہ شکاریوں کے لئے جنگل' اس سے شہری و دیہاتی زندگی میں مماثلت پیدا ہو گئی۔

اکثر پیشہ ور جیسے جولاہے یا موچی جس گھر میں رہتے تھے' وہیں پر کام کیا کرتے تھے۔ اس ماحول کے وہ اس قدر عادی ہو گئے تھے کہ اسے چھوڑنا نہیں چاہتے تھے' کیونکہ ان کے لئے جگہ اور مقام کی اہمت تھی' کوالٹی اتنی زیادہ ضروری نہیں تھی' اسی لئے جب حکومت نے انہیں اس ماحول سے نکال کر دکانیں دیں اور گھر اور کام کی جگہ کو علیحدہ کیا تو انہوں نے اسکی زبردست مزاحمت کی۔

بیسویں صدی کے شروع میں شہروں میں مکانات کی تعمیر کے سلسلے میں شرائط طے ہو گئیں تھیں کہ سڑک کتنی چوڑی ہو' مکان کی بلندی کتنی ہو اور بالکنی کی جگہ کتنی ہو' اس زمانہ میں امراء نے یونانی' رومی اور گوتھک طرز تعمیر سے متاثر ہو کر اپنے مکانات بنوانا شروع کر دیئے تھے' گھروں کی آرائش پر خصوصی توجہ دی جانے لگی تھی' جیسے کہ دروازوں اور کھڑکیوں پر پردے' دیواروں پر تصویریں اور ساتھ ہی وال پیپرز کا رواج بھی ہو گیا تھا' فرنیچر کی ترتیب کا بھی خاص خیال رکھا جاتا تھا۔

اسی زمانے میں اپارٹمنٹ بننا شروع ہوئے' ان بلڈنگوں میں پہلے اور دوسرے فلور پر تاجر رہا کرتے تھے' تیسرا فلور غریب لوگوں کے لئے ہوتا تھا' اپارٹمنٹ کی عمارت میں نگراں اور چوکیدار ہوا کرتے تھے' ہر عمارت میں کھلی جگہ ہوتی تھی۔ عمارت میں داخل ہوتے ہی وہ حصہ ہوتا تھا کہ جہاں سے ملاقاتی بغیر اجازت کے آگے نہیں جا سکتا تھا' اپارٹمنٹ میں

کھانے کے کمرے کا خاص خیال رکھا جاتا تھا' اس کمرے میں سونے و چاندی کی اشیاء اور قیمتی برتن ہوا کرتے تھے' یہاں دعوتوں کے علاوہ خاندان کے لوگ بھی روز ملا کرتے تھے' اب مہمانوں کو خواب گاہ میں نہیں بلایا جاتا تھا' بہت کم حالات میں کسی کو یہ موقع ملتا تھا' بچوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہوتی تھی کیونکہ چھوٹے بچے آیاؤں کے پاس اور بڑے بورڈنگ ہاؤس میں رہتے تھے۔

فرانس میں انیسویں صدی میں لوگ لڑائی جھگڑوں سے اس قدر خوف زدہ رہنے لگے تھے کہ انہوں نے گھروں کی اس طرح سے آرائش کی جس سے یہ خوف ظاہر ہوتا تھا۔ اس لئے وہ کسی جگہ کو کھلی نہیں رکھتے تھے' فرش اور دیواریں سب ڈھکی رہتی تھیں' یہاں تک پیانو کی ٹانگوں پر بھی غلاف چڑھا رہتا تھا' ہر چیز کو ڈھکنے کی وجہ سے ان کے اندر کا خوف کم ہو جاتا تھا اور ان میں تحفظ کا احساس پیدا ہو جاتا تھا۔

اس وقت تک باورچی خانے کو مکان یا اپارٹمنٹ کے بالکل کونے میں بنایا جاتا تھا' تاکہ دھویں اور کھانا پکانے کے عمل سے مکینوں کو تکلیف نہ ہو' اس جگہ چونکہ مالک قدم نہیں رکھتا تھا' اس لئے صفائی کا بالکل خیال نہیں رکھا جاتا تھا' جب پاسٹر نے گندگی کو بیماریوں کی وجہ قرار دیا تو اس وقت صفائی پر توجہ دی گئی۔

اسی طرح ٹوائلٹ کو بھی نظرانداز کیا گیا۔ ۱۸۶۵ء تک پیرس میں اوپر کے فلیٹوں میں نل نہیں ہوا کرتے تھے' غسل خانے بھی دور کسی کونے میں ہوتے تھے' چونکہ لوگ کم نہاتے تھے اس لئے پانی کی زیادہ قدر نہیں تھی' جب پاسٹر نے بکٹیریا اور جراثیم دریافت کئے تو ہاتھ دھونے کا رواج ہوا' فلش کی ابتداء اگرچہ ہو چکی تھی مگر یہ زیادہ مقبول نہیں ہوا' کیونکہ فضلہ کو کھاد کے لئے اہم سمجھا جاتا تھا۔ جب اسے شہر کی گلیوں سے لے جایا جاتا تو ہر طرف بدبو اٹھتی تھی۔ ۱۸۵۵ء میں برطانیہ میں قانون بنایا گیا کہ سارا فضلہ نالیوں کے ذریعہ بہایا جائے' کسانوں میں فضلہ کی کھاد کا رواج اس وقت ختم ہوا جب کیمیکل کھاد مقبول ہوئی' گندہ پانی جو اب تک حوضوں میں جمع ہوتا تھا' اب اس کے لئے نالیاں بنائی گئیں اور ٹوائلٹ کی صفائی بھی فلش سسٹم کی وجہ سے ہونے لگی۔

دیہاتوں میں جاگیردار کا شاندار محل ہوا کرتا تھا' جب کہ کسان اور غریب ایک کمرے کے مکان میں رہتے تھے' جہاں اکثر مویشی اور جانور بھی ان کے ساتھ ہوا کرتے تھے' اس

گندے ماحول کی وجہ سے ان میں بیماریاں پھیل جاتی تھیں' جب ڈاکٹروں اور سماجی کارکنوں نے کسانوں اور مزدوروں کی حالت زار اور ان کے مکانوں میں غیر معیاری صفائی اور ان میں پائی جانے والی بیماریوں پر تحقیق کی تو معاشرہ کو احساس ہوا کہ اگر ان کی حالت کو ٹھیک نہیں کیا گیا تو اس صورت میں پورا معاشرہ بیماریوں کی لپیٹ میں آ جائے گا۔

لہٰذا اس زمانہ میں کئی روشن خیال صنعت کار ایسے تھے کہ انہوں نے جب مزدوروں کے نئے کمپلکس بنائے تو ان میں جو اپارٹمنٹ تھے' وہ صحت کے نقطۂ نظر سے تعمیر ہوئے' ان میں دو سونے کے کمرے' باورچی خانہ جو کشادہ اور ہوادار ہوتا تھا اور پانی کی سہولت' یہ سارے انتظامات ہوتے تھے' کمپلکس میں ڈاکٹر کی کلینک کھیل کے میدان' تعلیم کے لئے اسکول اور خریداری کے لئے دکانیں ہوا کرتی تھیں' اس کا مقصد تھا کہ مزدوروں کو صحت مند ماحول مہیا کیا جائے' تاکہ وہ سکون سے کام کر سکیں۔

اٹھارویں صدی میں گھر کو مقدس جگہ کا مقام دے دیا گیا تھا۔ اسی لئے ریاست بغیر اجازت کے یہاں داخل نہیں ہو سکتی تھی' مگر ابھی تک فرد' خاندان اور ریاست کے درمیان حقوق کا تعین نہیں ہوا تھا۔ خط و کتابت کو بھی ابھی تک خفیہ نہیں رکھا جاتا تھا۔ شوہر' بیویوں کے' ہیڈ ماسٹر طالب علموں وارڈن قیدیوں کے خطوط کھول کر پڑھتے تھے' فرد آہستہ آہستہ خاندان سے علیحدہ ہو رہا تھا' مثلاً تنہا سونا' مرضی کا لباس پہننا اور پسند کی شادی کرنا' خاندانی روایات کو کمزور کر رہی تھیں' جمہوری روایات نے فرد کے حقوق کو اور زیادہ بڑھایا اور ان کی حمایت کی' مزید برآں ہجرت نے خاندان کے رشتوں کو توڑنے اور مستحکم روایات کو ختم کرنے میں حصہ لیا' یہ ہجرت یورپ سے امریکہ اور دوسرے ملکوں میں ہوئی اور خود ایک ہی ملک کے باشندے ملازمت اور تجارت کی غرض سے گھر سے دور رہنے لگے۔

اسی زمانہ میں عورتوں نے بھی اپنے حقوق کی بات شروع کی اور برتھ کنٹرول و ماں بننے کے اختیار کے بارے میں بحث و مباحثے شروع ہوئے۔

فرد کی آزادی کا اظہار ناموں سے بھی ہونے لگا' انیسویں صدی میں نام کے پہلے حصہ میں کئی قسم کے نام ہوتے تھے اور خاص طور ایسے نام کہ جو اولیاؤں کے ہوتے تھے اور جن سے کوئی نہ کوئی مذہبی خصوصیت ظاہر ہوتی تھیں' اب نئے نام رکھنے کا شوق شہروں' گاؤں' امیروں اور غریبوں سب میں پھیلا' کیونکہ یہ احساس ہوا کہ اگر نام مختلف ہوں گے تو اس

سے انفرادیت ظاہر ہو گی اب تک یہ دستور تھا کہ بچوں کے نام دادا' دادی یا جدامجد کے ناموں پر رکھے جاتے تھے مگر اب خاندان کے ناموں کو ترک کر دیا گیا' اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ لوگوں میں جو نام کے بارے میں یہ تاثر تھا کہ اس میں اثر اور طاقت ہوتی ہے' وہ ختم ہو گیا اور یہ یقین بھی ختم ہو گیا کہ نام سے وراثتی خوبیاں منتقل ہو جاتی ہیں۔ یہ بات بھی اب ذہن سے جاتی رہی کہ نام رکھنے سے فرد کے کردار کا تعین ہو جاتا ہے' اب نئے نام والدین کے ذوق کا اظہار کرنے لگا۔

ناموں کی قسموں میں اضافے کی ایک وجہ یہ بھی تھی' شہروں میں اگر ایک ہی نام کے کئی اشخاص ہوتے تو اس سے کنفیوژن پیدا ہوتا تھا' اس لئے ناموں میں جدت آنے لگی تا کہ اپنی انفرادیت کو باقی رکھا جائے' اب طالب علم' رومال' کپ' نوٹ بک یا یونیفارم پر نام کے پہلے اور آخری حروف لکھ دیتے تھے تا کہ پہچان رہے' وزیٹنگ کارڈ کے رواج کے بعد نام کی اہمیت اور زیادہ ہو گئی' نام اور شناخت کا تعلق اس قدر گہرا ہوا کہ اب پالتو جانوروں کے نام بھی رکھے جانے لگے۔

آئینہ کے استعمال سے بھی لوگوں کی زندگی پر اثرات ہوئے' انیسویں صدی میں گاؤں میں صرف نائی کے پاس آئینہ ہوتا تھا۔ اس کا استعمال بھی صرف مردوں کے لئے ہوتا تھا' شہروں اور گاؤں میں ہاکر چھوٹے آئینے فروخت کرتے تھے کہ جن میں لڑکیاں اور عورتیں اپنا چہرہ دیکھ سکتی تھیں' بڑے سائز کے آئینے بہت کم ہوا کرتے تھے' خاص طور سے دیہات میں بالکل نہیں تھے' جس کی وجہ سے کسان اپنی جسمانی خصوصیات کے بارے میں دوسری کی رائے پر بھروسہ کرتے تھے اور اپنے چہرے کے تاثرات کا اندازہ خود ہی لگایا کرتے تھے' آج اس پر حیرت ہوتی ہے کہ لوگ اپنے جسم سے بے خبر کیسے رہتے تھے؟ پھر آئینہ کے بارے میں بہت سے توہمات بھی پیدا ہو گئے تھے' مثلاً اگر بچہ اسے دیکھ لے تو اس کا قد چھوٹا رہ جائے گا۔ موت کے گھر میں اسے ڈھانپ کر رکھا جاتا تھا' شرفاء کے گھرانوں میں اسے بے حیائی سمجھا جاتا تھا کہ عورت اس میں اپنی برہنگی کو دیکھ لے گی' یہاں تک کہ ٹب کے پانی میں بھی اسے اپنے برہنہ جسم کو دیکھنے کی اجازت نہیں تھی' اس غرض سے پانی میں ایک خاص قسم کا پوڈر ملا دیا جاتا تھا' تاکہ اس کا عکس پانی میں نظر نہ آئے' لیکن ان ہی پابندیوں نے اس جستجو اور شوق کو پیدا کیا کہ اپنے جسم کے بارے میں معلومات ہوں اور اس کے

خدوخال سے واقفیت حاصل کی جائے' اس غرض سے بڑے آئینوں کا رواج ہوا اور انہوں نے فرد کو اس کے جسم کے بارے میں پوری پوری آگہی دی۔

آئینہ کے استعمال نے فرد کی شخصیت کو ابھارنے اور جسم کے بارے میں اس کی واقفیت کو گہرا کرنے میں مدد دی' جس کی وجہ سے اسے اپنی جسمانی اہمیت کا احساس ہوا' اس احساس نے اس کے لباس کے ذوق کو ابھارا' تاکہ وہ اس کے سہارے دوسروں کو اچھا نظر آئے' اس انفرادیت کے جذبہ نے اس میں یہ شوق پیدا کیا کہ وہ اپنی تصاویر بنوائے' تاکہ موت کے بعد بھی اس کی نشانی باقی رہے' اس کا رواج اب امراء کے طبقے سے زیادہ تاجروں میں ہوا اور یہ ان کی خوش حالی اور سماجی مرتبہ کے بڑھنے کی نشانی تھا۔ اس اظہار کے ذریعہ وہ امراء کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے۔

اٹھارویں صدی میں جا کر تصویر متوسط طبقے میں بھی مقبول ہو گئی' اب چاہنے والوں اور محبوبوں کی تصاویر لاکٹوں' چھوٹے بوکسوں اور تمغوں پر بنائی جانیں لگیں۔

جب فوٹوگرافی شروع ہوئی تو اس نے تصاویر کو عام کر دیا اور فوٹوگرافروں کی شہروں اور دیہاتوں میں دکانیں کھل گئیں اور جب عام آدمی کو بھی یہ موقع ملا کہ وہ اپنی تصویر بنوا کر رکھ سکے تو اس سے خود اس کی اہمیت اپنی نظروں میں بڑھ گئی' جب فوٹوگرافروں نے اپنے اسٹوڈیو بنائے کہ جس میں پورے سائز کی تصاویر بن سکتی تھیں تو اس نے لوگوں کی عادات کو بدلا کہ کس طرح سے تصویر بنوائی جائے؟ کیسے پوز بنایا جائے؟ چہرے پر کیسے تاثرات ہوں؟ وغیرہ وغیرہ چنانچہ ان تصاویر سے بچوں' والدین' اساتذہ اور مفکرین کے مختلف پوز سامنے آتے ہیں۔

فوٹوز نے خاندان کی زندگی میں بھی تبدیلی کی کیونکہ اب خاندان کے گروپ فوٹو اور خاص لمحات ہمیشہ کے لئے منجمد ہو گئے' بلکہ ان سے وابستہ یادیں بھی ذہن میں باقی رہ گئیں' خاندان کے گروپ فوٹو کی وجہ سے اس کا اتحاد باقی رہ گیا' اگر افراد ادھر ادھر چلے بھی جاتے تو ان فوٹوز کے ذریعہ وہ خاندان کے ساتھ رہتے تھے۔

جب فوٹوگرافی میں ترقی ہوئی تو اس نے چہروں کی جھریاں اور داغ و دھبہ صاف کر کے انہیں خوبصورت اور اسمارٹ بنا دیا' جب لوگوں نے باربار تصاویر بنوائیں تو انہیں خود اپنے میں تبدیلی کا احساس ہوا۔ اس نے عمر اور وقت کے بارے میں لوگوں کو حساس بنا دیا۔ ساتھ

ہی عمر کے آخری حصہ میں موت کے لئے ذہنی طور پر تیار ہو گئے' بوڑھاپے کی تصویریں دیکھ کر جوانوں کو یہ احساس ہوا کہ ایک دن ان پر بھی یہ وقت آئے گا' اس لئے بوڑھے لوگوں سے اچھا سلوک کرنا چاہئے' اسی طرح جو مرجاتے تو تصاویر کے ذریعہ ان کی یاد باقی رہ جاتی تھی۔ گھر میں دیواروں پر لگی یہ آباؤاجداد کی تصاویر ان کی موجودگی کا احساس دلاتی رہتی تھی۔

جب آبادی میں اضافہ ہوا تو اس کے ساتھ شناخت کے طریقے بھی بدلتے گئے' طالب علموں' مزدوروں اور فوجیوں کے نام معہ ولدیت کے رجسٹروں میں درج ہونے لگے' تاکہ ہر ایک کو انفرادی طور پر پہچانا جا سکے' طوائفوں کے لئے لازمی ہو گیا کہ وہ میونسپلٹی میں اپنا اندراج کرائیں' بچوں کو ان کی پیدائش پر سرٹیفکیٹ دئے جاتے تھے' جو شہری انتظامیہ دیتی تھی' مسافروں کے پاسپورٹ' تاکہ دوسرے ملک میں جائیں تو ان کی شناخت قائم رہے' درجہ بندی اور رجسٹروں میں اندراج سے یہ فائدہ ہوا کہ منصوبہ بندی کی جانے لگی۔

ملازموں کے لئے بھی یہ ضروری ہو گیا کہ انہیں اپنی ایمان داری اور شرافت کا سرٹیفکیٹ اپنے پچھلے مالک سے لانا ہوتا تھا' شادی کے وقت دوسری پارٹی لڑکے کے کردار کے بارے میں چرچ کے عہدے داروں سے تصدیق کرتی تھی' ساتھ ہی میں وکیل' حکومت کے عہدے داروں اور رشتہ داروں سے اس کے بارے میں معلومات اکٹھی کرتے تھے۔

مجرموں کی شناخت کے لئے کئی طریقے اپنائے جاتے تھے' مگر بیسویں صدی میں انگلیوں کے نشانات کے ذریعہ ان کا ریکارڈ محفوظ کیا جانے لگا' یہ ایک قدیم چینی طریقہ تھا' جسے سب سے پہلے انگریزوں نے بنگال میں استعمال کیا' پھر یہ یورپ میں رائج ہوا۔

انیسویں صدی میں روح اور جسم کے بارے میں متضاد نظریات تھے۔ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ چاند کی حرکات سے جسم بھی متاثر ہوتا ہے' عورتوں کی ماہواری کو بھی وہ چاند کی گردش سے منسوب کرتے تھے۔

اس کے علاوہ جسم سے منسوب صدیوں کے توہمات ابھی ختم نہیں ہوئے تھے' ناخن کاٹنا اور دانتوں کا گرنا' ان سے وہ زندگی کے بارے میں اچھے یا برے ہونے کا اندازہ لگاتے تھے' مجلسی آداب میں اس وقت تک زور سے ڈکار لینا' ہوا خارج کرنا' چھینکنا اور پسینہ بہانا برا نہیں سمجھا جاتا تھا' خاندان میں توہمات کو قائم رکھنے میں آیائیں اور گھر کے ملازم مددگار

ہوتے تھے۔ ان توہمات کی وجہ سے سائنسی سوچ اور ہائجن کے بارے میں نظریات کے مقبول ہونے میں رکاوٹیں تھیں۔

جسم کے بارے میں عیسائی نقطۂ نظر یہ تھا کہ دوبارہ سے جنم لے گا' اولیاء انسانی جسم کو ایک قید خانہ کہتے تھے' جو کہ ایک دن کیڑوں کی غذا بن جائے گا' ان کے نزدیک روح اور جسم میں ہمیشہ تصادم رہے گا۔ ان دونوں میں کبھی سمجھوتہ نہیں ہو گا۔

لیکن انیسویں صدی ہی میں نئی تحقیق یہ ثابت کر رہی تھی کہ بیماریوں کی وجہ گندگی اور گھٹا ہوا ماحول ہے اور صحت کے لئے آکسیجن انتہائی ضروری ہے' اس کی وجہ سے سماجی رویوں اور عادتوں میں تبدیلی آنا شروع ہوئی' اب ہر شخص علیحدہ بستر پر سونے لگا کیونکہ ساتھ سونے کی وجہ سے آکسیجن پوری نہیں ملتی تھی اور خراب ہوا کی وجہ سے پھیپھڑوں پر برا اثر پڑتا تھا' علیحدہ بستر پر سونے کی وجہ انفرادیت کے جذبہ کو فروغ ملا اور جب ہر شخص کا اپنا کمرہ اور بستر علیحدہ ہوا تو اس کے سونے' جاگنے' غور کرنے' سوچنے اور خواب دیکھنے کے انداز بدل گئے' بچوں میں یہ تبدیلی آئی کہ جب وہ ماں باپ سے علیحدہ سونے لگے تو انہوں نے گڑیوں کو بطور ساتھی اپنے ساتھ سلانا شروع کر دیا۔

بورژوا گھروں میں خاندان کے ہر فرد کے لئے علیحدہ کمرہ مخصوص ہو گیا' جس کو اس نے اپنے ذوق کے تحت سجانا شروع کر دیا۔ اس طرح یہ کمرے انفرادی شخصیت کے اظہار کی علامت بن گئے۔

صفائی کے اس نئے احساس نے جہاں جسم کی صفائی پر زور دیا' وہاں اب کھانا کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونے کا رواج ہوا' چہرہ اور دانتوں کی روزانہ صفائی بھی ہونے لگی' لیکن سر کی صفائی پر ابھی بھی توجہ نہیں دی جاتی تھی' اس صدی کے آخر میں غسل کے لئے ٹب کا رواج ہوا اور پھر اس کے بعد شاور آیا' اب تک نہانے کے بارے میں یہ خیال تھا کہ اس سے جسم کمزور ہوتا ہے اگر جسم پر میل ہو تو اس سے جلد نرم رہتی ہے' مگر صفائی کے نئے تصور کے بعد نہانا جسم کی صفائی کے لئے ضروری ہو گیا۔

اسی طرح لباس میں تبدیلی آئی' گھر میں پہننے اور باہر کے لباس علیحدہ علیحدہ ہو گئے' سوتے وقت اب گاؤن استعمال کیا جانے لگا۔ اس لباس میں نہ تو کوئی باہر جاتا تھا اور نہ ہی کسی سے ملاقات کرتا تھا' جب باہر جانا ہوتا تو اس کے لئے تیاری کی جاتی تھی' خوش بو' میک

اپ اور بالوں کی آرائش پر خاص طور سے عورتیں توجہ دیتی تھیں' مرد چونکہ کام کرتے تھے' اس لئے ان کے لباس بے ڈھنگے ہوتے تھے۔ انیسویں صدی کا مرد اپنے جسم پر زیادہ فخر نہیں کرتا تھا' وہ صرف اپنے بالوں کا خیال رکھتا تھا اور اپنی انفرادیت کو بالوں کے اسٹائل' مونچھوں' ڈاڑھیوں اور گل مچھوں سے ظاہر کرتا تھا۔

ایک تبدیلی جو اور آئی' وہ یہ کہ اب اتوار کے روز جو چھٹی کا دن ہوا کرتا تھا اس دن بورژوا طبقے کے ساتھ ساتھ ورکنگ کلاس کے لوگ بھی صاف ستھرا لباس پہن کر چہل قدمی کرنے لگے' یہ اس بات کی علامت تھی کہ چھٹی کا دن ان کا اپنا ہے اور وہ فرصت کے اوقات میں اپنے گھر والوں کے ساتھ اسی طرح سیرو تفریح کر سکتے ہیں' جیسے کہ امراء اور بورژوا طبقوں کے لوگ۔

آگے چل کر لوگوں میں سیرو تفریح کے لئے شہر سے باہر جانے کا شوق ہو گیا اور وہ پہاڑوں' ساحل سمندر' جنگلوں اور باغات میں پکنک کے لئے جانے لگے' جن کے پاس پیسہ تھا' انہوں نے دوسرے ملکوں کی سیاحت کرنا شروع کر دی' جب یہ لوگ سفر سے واپس آتے تو اپنے ساتھ نہ صرف اس کی یادیں واپس لاتے' بلکہ ان ملکوں سے وہاں کی نایاب اشیاء اور یادگار چیزوں کو بھی لاتے۔

مذہبی اثرات اب تک معاشرے میں گہرے تھے' اس عہد کی دعاؤں سے پتہ چلتا ہے کہ لوگوں کے سماجی و معاشی مسائل کیا تھے' لوگ اکثر خاندانی معاملات کے سلسلہ میں زیادہ دعائیں کرتے تھے' اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت تک ہر فرد کے لئے خاندان کا اتحاد اور اس کی مضبوطی بڑی اہم تھی' اگر باپ یا بھائی بری عادتوں میں پڑ جاتا تھا تو خاندان والے دعا کرتے تھے کہ وہ راہ راست پر آ جائے اور نیک ہو جائے' کیونکہ ان کے اس عمل سے خاندان کی بدنامی ہوتی تھی اور ان کے برے کاموں کی وجہ سے خاندان کے ہر فرد کو شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا تھا' ایک شخص کی بداعمالیوں سے پورا خاندان متاثر ہوتا تھا' دعاؤں میں خاص طور سے تجارت یا کاروبار میں منافع کے بارے میں کہا جاتا تھا' ملازمت کے حصول اور اس میں ترقی کے لئے روایتی دعاؤں میں بیماری سے صحت یابی' سفر سے بخیر واپس آنا اور مرنے والوں کے لئے مغفرت کی خواہش ہوا کرتی تھیں۔

۱۸۶۰ء کی دھائی میں سرمایہ داری نظام کے تحت مذہبی خیالات بھی بدلنا شروع ہوئے'

اب دعاؤں میں بھی سنجیدگی آگئی اور ان میں جذباتیت کم ہو گئی' اس سے پہلے ثواب کی خاطر جو جسم کو اذیتیں دی جاتی تھیں' وہ بند ہو گئیں کیونکہ سرمایہ دارانہ نظام میں صحت مند جسم پیداوار کے لئے انتہائی اہم ہو گیا۔

انیسویں صدی میں لڑکیوں میں گڑیاں مقبول ہوئیں' اگرچہ اس سے پہلے بھی کسی نہ کسی شکل میں گڑیوں کا رواج ضرور تھا' مگر اب یہ تجارتی طور پر بازاروں میں آ گئیں' ابتداء میں یہ گڑیاں بڑے سائز کی ہوا کرتی تھیں اور ان کے کپڑے بھی وہی ہوتے تھے' جو اس وقت لڑکیوں اور عورتوں میں بطور فیشن مقبول ہوتے تھے' ان گڑیوں کی ساخت سے اس عہد میں خوبصورتی کے معیار کو بھی جانچا جا سکتا ہے' گڑیوں نے لڑکیوں کی شناخت کو مضبوط کرنے میں اہم حصہ لیا' اس سے ان کی تربیت ہوئی کہ انہیں گھریلو کام کاج میں دلچسپی لینی چاہئے اور یہ کہ بحیثیت عورت کے ان کا مقام گھر ہے۔ ۱۸۲۴ء میں بولنے والی گڑیوں کا رواج ہوا اور ۱۸۲۶ء میں چلنے والی گڑیاں بازار میں ملنے لگیں' ۱۸۵۵ء میں گڑیوں کی شکل بدل گئی اور وہ بچوں کی شکل میں بنے لگیں' ۱۹۰۹ء میں لڑکے کی شکل کا گڈا بھی بن گیا' اس کے بعد جانوروں کی شکلوں میں گڑیاں آنے لگیں جن کی وجہ سے بچوں میں جانوروں سے محبت اور تعلق پیدا ہوا۔

انیسویں صدی میں لوگوں کے خیالات جانوروں کے بارے میں بھی بدلنا شروع ہوئے اور یہ احساس پیدا ہوا کہ ان کے بھی جذبات ہوتے ہیں' اس نے انسان اور جانوروں میں قریبی تعلقات پیدا کر دیئے' خصوصیت سے کتا انسان کا مستقل ساتھی بن گیا' عورت اور کتے میں ایک خاص تعلق پیدا ہوا اور وہ اس سے محبت' یگانگت اور خلوص کا اظہار کرنے لگی' اس طرح سے بوڑھے لوگوں کے لئے کتا ایک ساتھی ہو گیا' جو وفاداری کے ساتھ ان کے ساتھ رہتا تھا' جانوروں سے قریبی تعلق کی وجہ سے بچوں میں بھی نازک جذبات پیدا ہوئے' ان تمام باتوں کی وجہ سے حکومت کے رویہ میں بھی تبدیلی آئی' اب تک جانوروں کو رہائشی علاقوں میں سب کے سامنے ذبح کیا جاتا تھا' مگر اب اس خیال سے کہ لوگوں کے جذبات مجروح نہ ہوں' مذبح خانے شہر سے دور منتقل کر دیئے گئے' تاکہ لوگ جانوروں کو ذبح ہوتے نہ دیکھ سکیں' ۱۸۵۰ء میں فرانس میں قانون کے ذریعہ جانوروں کو مارنا جرم قرار دے دیا گیا۔

جانوروں' پرندوں اور کیڑوں سے انسان کی دلچسپی اس قدر بڑھی کہ نہ صرف ان کو

گھروں میں رکھنا شروع کر دیا بلکہ ان کی عادات و اطوار پر تحقیق بھی ہونے لگی' ان کے علاج کے لئے ہسپتال بن گئے اور پالتو جانوروں کو خاندان کے اہم ممبران میں شمار کیا جانے لگا اور یادگار کے طور پر ان کے البم بنائے جانے لگے' اچھی نسل کے کتوں اور گھوڑوں کے شجرے رکھے جاتے تھے۔ جب پالتو جانور مرتے تھے تو انہیں علیحدہ قبرستان میں دفن بھی کیا جانے لگا' بیسویں صدی تک صورت حال اس طرح سے بدلی کہ اب جانوروں کی بجائے انسان ان کا محتاج ہو گیا۔

انیسویں صدی کی ابتداء میں کتابیں بہت مہنگی تھیں' اس لئے کتب فروشوں کی دکانیں بھی زیادہ نہیں تھی' اس مسئلہ کا حل یہ نکالا گیا کہ جگہ جگہ ادھار دینے والی لائبریریاں قائم ہوئیں' جن سے متوسط طبقے میں مطالعہ کا شوق پیدا ہوا' جو لوگ چھوٹے شہروں اور قصبوں میں رہتے تھے' وہ ڈاک کے ذریعہ لائبریری سے کتابیں منگوا کر پڑھتے تھے' اس وقت تک تین قسم کی لائبریریاں قائم ہو چکی تھیں۔ علاقے کے چرچ کی' اسکول کی اور پبلک لائبریری' چرچ کی لائبریری میں مذہبی کتابیں ہوتی تھیں' اسکول کے کتب خانہ میں نصاب سے متعلق' جبکہ پبلک لائبریری میں پسندیدہ اور مقبول ادب ہوا کرتا تھا۔

پہلی جنگ عظیم تک کسانوں میں یہ دستور تھا کہ وہ شام کو مل کر بیٹھتے تھے۔ ان میں سے کوئی ایک کتاب زور زور سے پڑھتا تھا' اس کے بعد اس پر مل کر سب بات چیت کرتے تھے' فیکٹریوں میں بھی وقفہ کے دوران زور سے کوئی کتاب پڑھی جاتی تھی' مگر اس کے علاوہ زور سے پڑھنے کا سلسلہ ختم ہو گیا تھا۔

اس دور کی اہم خصوصیت بچوں کا ادب ہے' خاص طور سے بورژوا گھروں میں بچوں کو مطالعہ کا شوق ہو گیا تھا اور ان کو ایسا ادب پڑھایا جاتا تھا جو ان میں احساس برتری کو پیدا کرے اور وہ موجودہ نظام کی حمایت کریں' عورتوں کے لئے اس وقت تک ناول پڑھنا منع تھا اور دلیل یہ تھی کہ اس سے ان کے جذبات بھڑکیں گے' عام لوگوں میں بہرحال ناول اور شاعری مقبول تھی۔

کتابوں کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ لوگوں میں تاریخی قیمتی اور نایاب اشیاء کو جمع کرنے کا بھی شوق پیدا ہوا اس کی وجہ سے ان اشیاء کی دکانیں کھلنا شروع ہو گئیں جن گھروں میں قیمتی اور تاریخی اشیاء ہوتی تھیں ان سے گھر والوں کے ذوق کا اندازہ لگایا جاتا تھا ایسی اشیاء

جمع کرنے والا جہاں ایک طرف اپنے شوق کی تسکین کرتا تھا وہاں وہ ان سے لوگوں کو مرعوب بھی کرتا تھا اکثر یہ ہوتا تھا کہ اس کے مرنے کے بعد اگر خاندان میں ان اشیاء کا کوئی قدردان نہیں ہوتا تھا تو یہ ضائع ہو جاتی تھیں۔ اس لئے کچھ لوگ اپنی زندگی ہی میں یہ اشیاء میوزیم کو دے جاتے تھے۔

نایاب اشیاء کے ساتھ لوگوں میں اپنی پسند کی چیزیں جمع کرنے کا شوق بھی پیدا ہوا' جیسے ٹکٹ' پوسٹ کارڈز' تمغے' فوٹوز' دستاویزات اور لباس وغیرہ' ان چیزوں کے جمع کرنے سے لوگوں کا ذہنی رشتہ ماضی سے ہو جاتا تھا۔ یہ اشیاء اس تبدیلی کی جانب بھی نشاندہی کرتی تھیں' جو وقت کے ساتھ ساتھ ان کی ساخت اور تشکیل میں ہو رہی تھی۔

ان اشیاء کے جمع کرنے کی وجہ سے ان کو گھروں میں رکھنے کی طرف بھی توجہ ہوئی اور اس نے گھر کی آرائش و زیبائش میں اضافہ کیا' اب دیواروں پر تصاویر' تمغے اور دستاویزات آویزاں کئے جانے لگے۔ شوکیسوں میں سکے اور قیمتی پتھر رکھے جانے لگے۔

دیوار کے سہارے اور فرش پر بھی نایاب چیزوں کو سجا کر رکھا جانے لگا' جب یہ اشیاء مہنگی ہوئیں اور ساتھ ہی میں ان کی مانگ بھی بڑھی تو ان کی نقلیں تیار ہونے لگیں اور ان نقلی اشیاء کی دکانیں بھی کھل گئیں' اب متوسط طبقے کے لوگ بھی گھروں میں نقلی تصاویر' مجسمے اور دوسری اشیاء رکھنے لگے۔

کیتھولک فرقے میں گناہوں کے اعتراف کرنے کی روایت تھی' مگر انیسویں صدی میں اس روایت نے لوگوں کو چرچ اور اس کے عہدے داروں کے خلاف کر دیا' اس کی وجہ یہ تھی کہ اعتراضات سننے والے اکثر پادریوں نے لوگوں سے اعترافات کے دوران ان کے جنسی تعلقات کے بارے میں سوالات کرنا شروع کر دئے' خصوصیت سے عورتوں سے اس قسم کے سوالات کئے جانے لگے۔ ان میں سے کچھ نے عورتوں کو اپنی طرف مائل کرنا بھی چاہا اور خود جنسی تعلقات قائم کئے' اس طرح سے یہ اعتراضات نجی زندگی میں دخل اندازی کا سبب بنے اور ایسی تبدیلی میں کہ جہاں نجی زندگی محدود ہو رہی تھی' انہوں نے لوگوں میں اعترافات کے خلاف ردعمل کو پیدا کیا۔

اس وقت تک لوگ جنسی بیماریوں اور اخلاقی کمزوریوں کے بارے میں کھل کر بات نہیں کرتے تھے' بلکہ انہیں ایسے الفاظ میں بیان کرتے تھے کہ جس سے مطلب نکال لیا جاتا

تھا' اگر کسی کو آتشک یا اور کوئی جنسی بیماری ہو جاتی تھی تو وہ اسے چھپا کر رکھتا تھا' یہاں تک کہ ڈاکٹر کو بھی اس کے بارے میں نہیں بتاتا تھا' وہ بیماریاں کہ جو ورثہ میں ملتی تھیں' ان کے بارے میں بھی کسی سے تذکرہ نہیں کیا جاتا تھا' بعض لوگ آتشک کی بیماری کو چھپا کر شرم سے خودکشی بھی کر لیتے تھے' لیکن آہستہ آہستہ یہ رجحان بڑھ رہا تھا کہ ان بیماریوں کو چھپایا نہیں جائے' خصوصیت سے وہ بیماریاں جو ورثہ میں ملتی ہیں' اس لئے ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ شادی کے وقت خاندانی بیماریوں کو دیکھا جائے۔

انیسویں صدی کے درمیانی حصہ میں جب ورکنگ کلاس بڑی تو اس نے طبقہ اعلیٰ میں ان کے خلاف نفرت' ڈر اور ساتھ ہی میں ان میں دلچسپی بھی پیدا کی' سماجی اور مذہبی طور پر ان خیالات کا اظہار کیا جانے لگا کہ انسان اب زوال پذیر ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ سماجی نقطۂ نظر سے یہ تھی کہ چونکہ انسان کا فطرت سے رشتہ ٹوٹ گیا ہے' اس لئے وہ تنہا ہو کر برابر نیچے کی جانب گر رہا ہے' مذہبی نقطۂ نظر سے اس کی پس ماندگی کی وجہ سے اخلاقی گراوٹ اور خرابیاں تھیں۔

لوگوں میں یہ خیال بھی عام تھا کہ انسانی کردار میں اچھائیاں یا برائیاں وراثت میں ملتی ہیں' جیسے بوڑھاپے کی اولاد کمزور ہوتی ہے اور شرابی کی اولاد بدمعاش جب حالات کی وجہ سے معاشرے میں اعصابی تناؤ اور ذہنی بیماریاں پھیلیں اور ان کے بارے میں لوگوں کو پتہ چلا تو ان کا ذمہ دار غریبوں کو ٹھہرایا گیا کہ ان میں غیر صحت مند ماحول' صفائی کی کمی' غیر اخلاقی عادتوں اور نشہ کی وجہ سے یہ بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اور پھر یہ ان کی اولاد میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ اس کے علاوہ بیماریوں کی جڑیں فیکٹریوں اور غریبوں کی کھولیوں میں ہیں' جہاں سے یہ پھیل کر ہر شخص کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں' لہٰذا اس کے ردعمل کے طور پر ان حالات کا تجزیہ کیا گیا' اس سے یہ ثابت ہوا کہ نہ تو وراثت کی تھیوری صحیح ہے' اور نہ اس کے ذمہ دار غریب ہیں' اس کی اصل وجہ صفائی کی کمی ہے' اگر غریبوں کو صاف ستھرا ماحول مہیا کیا جائے تو ان بیماریوں کا سدباب ہو سکتا ہے' اس کے ساتھ ہی جنسی بیماریوں کے بارے میں تجزیہ کیا گیا کہ عورت و مرد کے لئے جنسی تعلیم کا ہونا لازمی ہے' تاکہ احتیاطی تدابیر کر کے ان بیماریوں سے دور رہا جائے۔

اعصابی بیماری کا علاج جو لوگوں نے دریافت کیا' وہ یہ کہ شراب پی کر اس کے نشہ میں

اسے بھلا دیا جائے' شراب چونکہ اکثر اکیلے نہیں پی جاتی تھی' اس لئے شراب خانے لوگوں کے لئے سماجی سرگرمیوں کے مرکز بن گئے' مگر شراب نے خاندانی زندگی کو بڑا متاثر کیا ہے' اس کی وجہ سے خاندان میں جھگڑے شروع ہوئے' مالی مسائل کھڑے ہوئے' عورتوں کو شراب کے نشہ میں مارا پیٹا جانے لگا' شرح پیدائش میں کمی ہو گئی' لہٰذا یہاں بھی ردعمل کے طور پر اس کے خلاف مہم چلی خاص طور سے عورتوں نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا' ساتھ ہی میں ورکنگ کلاس کو اس کی طرف توجہ دلائی گئی کہ شراب پینے کی وجہ سے ان کی اپنی تحریک کمزور ہو رہی ہے۔

اعصابی تناؤ' عدم تحفظ' زندگی کے معاملات میں سخت مقابلہ' حالات سے مایوسی اور ناامیدی اور حد سے زیادہ خواہشات' آگے بڑھنے کا جذبہ' ان وجوہات نے معاشرہ میں خودکشی کی وارداتوں میں اضافہ کیا' ان وجوہات کے علاوہ تنہائی' محبت میں ناکامی' جلن' حسد اور رشک بھی خودکشی کے رجحان میں اضافے کا باعث ہوئی' خودکشی کرنے والوں کی اکثریت غیر شادی شدہ' بیوائیں اور رنڈوے زیادہ ہوتے تھے' مردوں میں اس کی شرح زیادہ تھی' خودکشی یا تو گلے میں پھندا ڈال کر' دریا میں ڈوب کر' یا امراء میں سر یا سینہ پر گولی مار کر کی جاتی تھی' آہستہ آہستہ زہر کا بھی رواج ہو رہا تھا' اکثر وارداتیں صبح یا دوپہر میں ہوتی تھیں' شام کے وقت نہیں اور نہ ہی چھٹی والے دن۔

اسی زمانہ میں ڈاکٹر کا کردار اہم بن کر ابھرا' خاص طور سے امراء کے طبقہ میں ڈاکٹر ان کا خاندانی معالج اور دوست ہو جاتا تھا جو نہ صرف ان کا علاج کرتا تھا بلکہ خاندانی رازوں سے بھی واقف ہو جاتا تھا اور اس حیثیت میں وہ شادی' بیاہ اور دوسری سماجی معاملات میں انہیں مشورہ دیا کرتا تھا' غریبوں کے ساتھ ڈاکٹر کے تعلقات اتنے قریبی نہیں ہوتے تھے کیونکہ ان کا علاج زیادہ تر خیراتی اداروں کے ذریعہ ہوتا تھا' جہاں انہیں کوئی فیس نہیں دینی پڑتی تھی۔

گاؤں و دیہاتوں میں کسانوں میں اب تک یہ خیال عام تھا کہ یہ بیماریاں باہر سے آتی ہیں اور ان کی وجہ گناہ' غفلت یا برائی ہے' لہٰذا اس کا علاج بھی تعویز' مزار کی زیارت' جادو و سحر اور جڑی بوٹیوں کے ذریعہ کیا جانے لگا' کسان گھرانوں میں بڑی بوڑھیاں جو قدیم روایات کی محافظ ہوتی تھیں' وہ یہ علاج کیا کرتی تھیں۔

شہروں میں نئی سائنسی تحقیقات کے نتیجہ میں لوگوں کے رویے بدل رہے تھے اور وہ

بیماریوں سے بچنے کے لئے پابندی سے ورزش' کھانے میں احتیاط' تازہ ہوا' پانی کے غسل اور جسم کی صفائی پر توجہ دے رہے تھے' جب متعدی بیماریوں کے بارے میں لوگوں کو پتہ چلا تو اس نے خاندان کے افراد اور مریض کے درمیان رشتوں کو بدلا' اب تپ دق کے مریض سے دور رہا جانے لگا اور متعدی امراض کے علیحدہ ہسپتال بن گئے' تاکہ انہیں گھروں کے بجائے یہاں رکھا جائے' مریضوں کی دیکھ بھال کے لئے نرسوں کا پیشہ وجود میں آیا' ابتداء میں امراء کے گھروں کی عورتوں نے فرصت کے لمحات میں اس پیشہ کو اختیار کیا' یہ مزدوروں کے محلوں میں جاتی تھیں اور وہاں انہیں صفائی کے بارے میں بتاتی تھیں' بعد میں پیشہ ورانہ نرسوں کا سلسلہ شروع ہوا' جو ہسپتالوں میں کام کرتی تھیں۔

بیماریوں سے بچنے کے لئے لوگوں میں ورزش کے ساتھ ساتھ کھیلوں کا شوق ہوا' تازہ ہوا میں زور سے سانس لیا جائے' تاکہ پھیپھڑے مضبوط ہوں' سستی و کاہلی معیوب ہوئیں' اسی طرح بے کار لیٹے رہنا اور بیٹھنا برا ٹھہرا' گیند کے کھیل مقبول ہوئے پہاڑوں پر چڑھنا' سائیکل چلانا اور دریاؤں و چشموں میں نہانا لوگوں کا مشغلہ ہو گیا' ان کھیلوں اور ورزشوں سے نہ صرف جسمانی طور پر انسان صحت مند ہوا' بلکہ اس میں خوشی و مسرت کے احساسات بھی پیدا ہوئے اور اس نے معاشرے کی روزمرہ کی زندگی کو بدلنے میں اہم حصہ لیا۔

آٹھواں باب: موجودہ زمانہ

بیسویں صدی کے آتے آتے یورپی معاشرے میں بڑی تبدیلیاں آ چکی تھیں کہ جن کی وجہ سے خاندان اور فرد کے رشتے بدل گئے تھے' اب تک بہت سے دست کار و ہنرمند اپنے گھروں پر ہی کام کرتے تھے' یہاں نہ صرف وہ اور ان کا خاندان کام میں ہاتھ بٹاتا تھا' بلکہ اگر انہیں مدد کی ضرورت ہوتی تھی تو دوسرے لوگ بھی ان کے گھر آ کر کام کرتے تھے' یہاں یہ جو کچھ بناتے تھے' یہ صنعتی پیداوار ہوتی تھی' یہ اسے بعد میں تاجروں کے حوالے کر دیتے تھے' گھر پر کام کرنے والوں کے لئے کام کے اوقات متعین نہیں تھے' اکثر یہ ۱۵' ۱۵ گھنٹے کام کیا کرتے تھے اور جو ملازم ہوتے تھے' وہ بھی ان کے ساتھ اتنے ہی طویل وقت کے لئے کام کرتے تھے' پھر ان کی تنخواہیں بھی کم ہوا کرتی تھیں۔

گھروں پر کام کرنے کی وجہ سے خاندان کے افراد کو باہر جانے کا بہت کم موقع ملتا تھا۔ ان کی نجی زندگی بھی ایک طرح سے پبلک تھی' کم جگہ پر گھٹے ماحول میں کام کرنے کی وجہ سے جہاں جسمانی طور پر یہ بیماریوں کا شکار ہوتے تھے وہاں ذہنی طور پر بھی یہ اعصابی تناؤ اور نفسیاتی الجھنوں میں گھرے رہتے تھے' گھر پر کام کرنے کی وجہ سے چھٹی یا فرصت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا' وہ ہر لمحہ کو اپنے کام میں صرف کرنا چاہتے تھے تاکہ اس طرح سے وہ اپنی آمدنی بڑھا لیں۔

بیسویں صدی میں آہستہ آہستہ گھر' فیکٹری' ورکشاپ اور دکان میں فرق ہو گیا' اس کی

وجہ سے نجی و پبلک زندگی کا فرق بھی واضح ہوتا چلا گیا' جب گھر سے باہر کام کے لئے لوگوں نے جانا شروع کیا تو اس کے ساتھ ہی ان کی زندگی کے معمولات بھی بدلنا شروع ہوئے' کام کے بعد گھر آ کر وہ اپنا فرصت کا وقت اپنے خاندان یا دوستوں کے ساتھ صرف کرنے لگے' اسی طرح وقت' کام اور نجی معروفیات میں تقسیم ہو گیا' اب تک جو نوجوان مختلف ہنر سیکھتے تھے تو ان کی تربیت گھروں پر ہی ہوا کرتی تھی' مگر اب ہر پیشہ کے تربیتی اسکول کھل گئے' جس کی وجہ سے بچے والدین کے اثر سے آزاد ہو گئے۔

فیکٹری میں کام کرنے والوں کے نہ صرف اوقات متعین تھے بلکہ ان کی تنخواہیں بھی مقرر تھیں' اگرچہ ابتداء میں سرمایہ دار نے مزدوروں کا استحصال کیا' مگر جب ساتھ میں کام کرنے سے ان میں سیاسی شعور پیدا ہوا تو انہوں نے ٹریڈ یونین کی ابتداء کی' جس نے پہلی بار تاریخ میں مزدور یا استحصال شدہ طبقے کو منظم کیا اور انہوں نے آہستہ آہستہ اپنے حقوق کا مطالبہ شروع کیا' جس کی وجہ سے ان کے کام کے اوقات کم ہونے لگے اور انہیں بیماری اور بوڑھاپے کی صورت میں مالی فوائد ہونے لگے۔

جب پیداوار بڑھانے کے لئے بڑی فیکٹریاں بننا شروع ہوئیں تو ان فیکٹریوں کے ڈیزائن' خاص اشیاء کی پیداوار کو مدنظر رکھ کر بنائے گئے' خاص طور سے اس کی چھتیں' یہاں مشینری کو ترتیب سے رکھا گیا اور ہر مزدور کی اپنی جگہ متعین ہوئی' جب فیکٹریوں میں ٹائم کلاک روشناس ہوئے تو اس کے بعد سے مزدوروں کا وقت' کام' کھانے کا وقفہ اور چھٹی کے لئے مقرر ہو گیا' مزدوروں کو کھانے کی سہولت فیکٹری کے اندر ہی کینٹین میں ملنے لگی' ان کی تنخواہیں پیداوار کے لحاظ سے مقرر کی جانے لگیں۔

ایک اور تبدیلی جو اس صدی میں آئی وہ یہ کہ اب صنعتی علاقے شہر اور رہائشی علاقوں سے دور ہونے لگے فیکٹریوں کے گرد باڑ لگا دی جاتی تھی یا دیوار بنا دی جاتی تھی تاکہ یہ محفوظ رہیں' اس کے کچھ علاقے "آوٹ آف زون" ہوتے تھے کہ جہاں ہر شخص کو جانے کی اجازت نہیں تھی' فیکٹری کے دروازے پر چوکیدار اور گارڈ ہوتے تھے' جو کسی پر شخص کو بلااجازت اندر نہیں جانے دیتے تھے۔

اس تبدیلی نے عورتوں کی زندگی پر بھی اثر ڈالا' اب تک عورتوں کو گھروں پر رہنا پڑتا تھا۔ جب تک مرد گھر پر کام کرتے تھے عورتیں بھی گھریلو کام کاج کے ساتھ ساتھ اسی میں

ان کا ہاتھ بٹاتی تھیں' اس طرح اس کو زیادہ کام کرنا پڑتا اور اس کے پاس اتنا وقت ہی نہیں ہوتا تھا کہ وہ گھر سے باہر جا سکے' جب مردوں نے کام کے لئے گھر سے باہر جانا شروع کیا تو بھی عورت کے سماجی رتبہ میں کوئی فرق نہیں آیا کیونکہ تاثر یہ تھا کہ جب مرد باہر جاتا ہے' کام کرتا ہے اور کما کر لاتا ہے تو وہ گھر کا خرچہ برداشت کرتا ہے' جبکہ عورت جو گھر کا تمام کام کرتی تھی' اس کی کوئی اہمت نہیں تھی۔ اسے معاشی طور پر منافع بخش نہیں سمجھا جاتا تھا' اس لئے اس نے عورت کے سماجی رتبہ کو اور بھی گرا دیا۔

مگر جب عورتوں نے باہر جا کر کام کرنا شروع کیا تو اس کی وجہ سے ان کی شخصیت میں تبدیلی آئی' اس کی ابتداء متوسط طبقے کی عورتوں سے ہوئی کہ جنہوں نے ملازمت کرنا شروع کی اور اس طرح سماجی طور پر خود کو مرد اور خاندان کی غلامی سے آزاد کیا' لہٰذا آہستہ آہستہ یہ خیال عام ہوا کہ گھر میں رہنا' مرد کی غلامی ہے۔ عورت کو باہر جا کر کام کرکے خود کو معاشی طور پر مستحکم کرنا چاہیئے' متوسط طبقے کی عورتوں کے بعد نچلے طبقے کی عورتوں نے بھی باہر جا کر فیکٹریوں میں کام کرنا شروع کر دیا۔

فیکٹری کے بارے میں اب تک مالک یا صنعت کار کا رویہ یہ تھا کہ یہ اس کی نجی جائداد ہے۔ جب وہ مزدوروں کو کام دیتا ہے تو اس کی مہربانی ہے کہ انہیں روزی کا وسیلہ مہیا کر رہا ہے۔ اس کے برعکس مزدور کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ اگرچہ فیکٹری مالک کی ہے مگر ساتھ ہی میں یہ پبلک جگہ ہے کہ جہاں مالک اور مزدور دونوں کو بیک وقت رہنے اور کام کرنے کا حق ہے' فیکٹری یا ورکشاپ خواب گاہ کی طرح نجی اور مقدس جگہ نہیں ہے' مزدور کو یہ حق ہے کہ وہ تنخواہ اور کام کے معاہدے کے سلسلہ میں مالک سے بات چیت کرے' اگر بات کامیاب نہیں ہوتی تو اس صورت میں اسٹرائک کا حق ہے' اسٹرائک کے ذریعہ تنخواہ میں اضافہ یا مطالبات کی منظوری مزدور کو زیادہ اچھی لگتی تھی' کیونکہ اس طرح وہ مالک کی مہربانی کا احسان مند نہیں ہتا تھا۔ وہ کچھ لیتا تھا' اس میں اس کی طاقت و قوت کو دخل ہوتا تھا' اس کے علاوہ اسٹرائک سے مزدوروں میں اتحاد اور یگانگت پیدا ہوتی تھی اور انہیں اپنی قوت کا احساس ہوتا تھا' اس کے برخلاف مالک اسٹرائک کو اپنی ذات کے خلاف ایک حملہ تصور کرتا تھا۔ اسے مزدوروں کی احسان فراموشی یا بغاوت خیال کرتا تھا' لیکن اس وقت تک مالک ریاستی اداروں کو اسٹرائک میں دخل نہیں دینے دیتا تھا' کیونکہ اس کے نزدیک یہ ایک نجی معاملہ تھا جو اس

کے اور مزدوروں کے درمیان تھا' مزدور اس کے مقابلہ میں اس کو نجی معاملہ نہیں سمجھتے تھے' بلکہ اس پر زور دیتے تھے کہ یہ ملازمین اور فیکٹری کے درمیان ہے' اس لئے ریاست اس میں دخل دے اور ان کے مطالبات منظور کرائے۔

یونین اور اسٹرائک نے فیکٹری اور مزدور کے درمیان جن تعلقات کو پیدا کیا' وہ نجی اور ذاتی نہیں تھے بلکہ کام اور پبلک تعلقات تھے' اس لئے انہوں نے قانونی طور پر کوشش کی کہ اپنی تنخواہیں بڑھوائیں' کام کے اوقات متعین کرائیں' اپنی چھٹیاں بطور حق کے تسلیم کرائیں اور دوسری سماجی سہولتیں طلب کریں' یورپ میں مزدوروں کی یونین نے ایک طرف مزدوروں کے حقوق کے لئے جدوجہد کی اور دوسری طرف ان کے لئے مالی فوائد حاصل کئے' جس کی وجہ سے مزدوروں کا معیار زندگی آہستہ آہستہ بڑھتا گیا' آج مزدور کو معاشرے میں جو سماجی تحفظ حاصل ہے اور اس کا سماجی رتبہ جو بڑھا ہے' اس میں یونین کی جدوجہد کو بڑا دخل ہے۔

بدلتے ہوئے حالات نے خاندان کی زندگی کو بھی تبدیل کیا' متوسط امراء اور غریب طبقوں میں بھی نجی زندگی تین حصوں میں تقسیم ہو گئی' ایک وہ جو پبلک میں گذارتا تھا' پھر اپنے خاندان کے افراد کے ساتھ اور پھر خود اس کی اپنی نجی و ذاتی زندگی۔ ہر فرد پبلک اور خاندان کو وقت دینے کے بعد کچھ وقت اپنے ذاتی مشغلوں میں گذارنا چاہتا تھا کہ جہاں اس کی خواہش تھی کہ کوئی اس زندگی میں دخل نہ دے۔

خاندان میں اس تبدیلی کے ساتھ والدین کا اپنے بچوں سے کنٹرول بھی کمزور ہو گیا' اب بچہ جب وہ چھوٹا ہی ہوتا ہے تو نرسری جانا شروع کر دیتا ہے' جہاں اسے دوسروں کے ساتھ رہنے' صفائی کا خیال رکھنے اور ملنے ملانے کے آداب سکھائے جاتے ہیں۔

بچہ جب بڑا ہوتا ہے تو وہ اسکول جانا شروع کر دیتا ہے۔ اس طرح اب تعلیم کی ذمہ داری خاندان کی نہیں بلکہ اسکول کی ہو جاتی ہے' اس آزادی کی وجہ سے اب بچے اپنا کیرئر خود منتخب کرنے لگے' اس کی وجہ سے خاندان میں جو تناؤ تھا' وہ ختم ہو گیا ہے کیونکہ پہلے والدین کی خواہشات کچھ ہوتی تھیں' اور بچے کچھ بننا چاہتے تھے۔

معاشرہ اور ریاست کے نئے ڈھانچہ میں خاندان سے زیادہ بچوں پر ریاست کی ذمہ داری ہوگئی' بچہ کی پیدائش سے لے کر اس کی تعلیم تک اب ریاست اس کی پرورش' دیکھ بھال

اور تعلیم کے اخراجات برداشت کرتی ہے۔

اس سے پہلے شادی کرتے وقت خوبصورتی اور محبت کی بجائے یہ دیکھا جاتا تھا کہ دونوں خاندان دولت مند اور باعزت ہیں' یا شادی کے ذریعہ ان میں سے کوئی چیز لڑکے یا لڑکی کو ملے گی یا شادی سے دونوں کو مستقبل میں کوئی فائدہ ہو گا' اس لئے یہ شادیاں دو خاندانوں کے درمیان ہوتی تھیں' لڑکا اور لڑکی اس میں صرف خاموش کردار ادا کرتے تھے' شادی کے بعد اگر ان کے تعلقات بہتر نہ ہوں تو بھی وہ اسے نباہتے تھے' مگر بیسویں صدی میں یہ روایت بدل گئی' اب شادی لڑکے اور لڑکی کے درمیان ذاتی معاملہ ہو گئی کہ جس سے خاندان کا زیادہ تعلق نہیں رہا' اب شادی سے پہلے لڑکے اور لڑکی ساتھ رہتے ہیں اس میں دونوں کا ہم خیال ہونا اور آپس میں محبت کرنا ضروری ہے' جب ساتھ رہنے کی وجہ سے دونوں میں گہرا باہمی تعلق ہو جاتا ہے تو اس کی انتہا شادی پر ہوتی ہے' اس کی وجہ سے اب شادی کا واقعہ اہم نہیں رہا' کیونکہ یہ تعلقات کے تسلسل کی ایک کڑی ہو گئی ہے' اکثر یہ شادی خاموشی سے چند دوستوں اور قریبی خاندان کے افراد کی موجودگی میں ہو جاتی ہے' اسی طرح سے اب بچوں کی پیدائش پر بھی والدین کا کنٹرول ہے' اگر بغیر شادی کے بچے پیدا ہو جائیں تو وہ معاشرہ میں قبول کر لئے جاتے ہیں' بیسویں صدی میں خاندان سمٹ کر رہ گیا ہے' یہ والدین اور بچوں تک محدود ہوتا ہے اور جب بچے بالغ ہو جاتے ہیں تو وہ والدین سے علیحدہ ہو کر اپنی آزاد زندگی شروع کر دیتے ہیں۔

ریاست کی طرف سے بوڑھاپے کی پنشن اور دوسری سہولتیں مہیا کی جاتی ہیں' وقت گذارنے کے لئے اب ٹی وی' وی سی آر اور دوسری تفریحات ہیں' اکثر بوڑھے لوگ جانوروں کو اپنا ساتھی بنا لیتے ہیں' ریاست کی طرف سے پوری کوشش ہے کہ سینئر شہریوں کو تمام سہولتیں دی جائیں اور سماج میں ان کے معزز مقام کو برقرار رکھا جائے۔

جیسے جیسے معاشرے میں بوڑھے لوگوں کی تعداد بڑھ رہی ہے' اسی حساب سے اب صنعتی معاشرے میں ان کے استعمال کی اشیاء پیدا کی جا رہی ہیں اور اشتہارات کے ذریعہ ان کا پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے' بہت زیادہ بوڑھاپے کی صورت میں جب ان کی نگہداشت کرنے والا کوئی نہیں ہوتا تو اس صورت میں ریاست کے اولڈ ہاؤسز میں ان کی نگہداشت ہوتی ہے۔

بیسویں صدی میں جسم اور صفائی کے بارے میں بھی نئے رجحانات پیدا ہوئے' اب تک

صفائی کا تصور طبقاتی تھا' بورژوا طبقوں کے لوگ نہاتے تھے اور صفائی پر خاص توجہ دیتے تھے۔ جبکہ اس کے مقابلہ میں غریبوں کے ہاں صفائی کا تصور یہ تھا کہ کبھی نہا لیا جائے اور اگر ہو سکے تو چہرے اور ہاتھوں کو دھو لیا جائے' دوسری جنگ عظیم کے بعد جسم اور لباس کے بارے میں تبدیلیاں آئیں' اب لباس مختصر ہو گیا تاکہ جسم کو چھپانے کے بجائے اسے دکھایا جائے' خاص طور سے عورتیں جب اب تک بھاری بھرکم اور ڈھیلا ڈھالا لباس پہنتی تھیں' ان کا یہ لباس بھی متروک ہو گیا۔ جب جسم کو دکھانے کا رجحان ہوا تو اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہوا کہ اسے خوبصورت رکھا جائے' اس مقصد کے لئے اب ورزش اور کھانے کی اہمت بڑھی' کون سی ورزشیں کی جائیں؟ کیا کھانا کھایا جائے؟ اس کی راہنمائی کے لئے رسالے اور اخبارات میں مواد آنے لگا' عورتیں خود کو خوبصورت بنانے کے لئے میک اپ اور فیشن پر زور دینے لگیں' جسم کی نمائش کی وجہ سے قیمتی کپڑے اور زیور کا رواج کم ہو گیا اور ایسے کپڑے پہنے جانے لگے کہ جن سے جسم کی خوبصورتی ظاہر ہو۔

جسم کو صحت مند رکھنے کی وجہ سے بیماریوں سے بچنے کی تدابیر اختیار کی جانے لگیں' جوان رہنے کی خواہش نے جہاں مختلف قسم کی کریموں اور دواؤں کے استعمال کو بڑھایا' وہاں مال دار لوگوں کے لئے پلاسٹ ہونے لگا' لوگوں میں یہ خواہش شدید ہو گئی کہ وہ بوڑھے نہ ہوں اور نہ بوڑھے نظر آئیں۔

جسم کی اس بڑھتی ہوئی اہمیت کی وجہ سے معاشرے میں تشدد کم ہوا' کیونکہ اذیت سے جسم بگڑتا ہے' اس لئے جسمانی اذیتوں اور سزاؤں کے خلاف تحریکیں شروع ہوئیں' جسم کو مضبوط اور سڈول بنانے کے لئے کھیلوں کی مقبولیت ہوئی' ان کھیلوں کے ذریعہ فرد نے اپنے تشدد کے جذبات کو مقابلوں کی شکل میں ٹھنڈا کیا اور خود پر کنٹرول کر کے اپنے جسم کو بہتر بنایا۔

عورتوں کی خوبصورتی کے بارے میں بھی اب پیمانے بدل گئے' پہلے موٹی عورتوں کو خوبصورت سمجھا جاتا تھا' اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک ایسے معاشرے میں کہ جہاں لوگوں کو پورا کھانے کو نہ ملے' وہاں موٹاپا خوش حالی اور دبلاپن غربت کی نشانی تھا' اس لئے جن مردوں کے توند ہوتی تھی' انہیں خوبصورت اور خوش حال سمجھا جاتا تھا۔ غریب طبقوں کی عورتیں اور طوائفیں دبلی ہوا کرتی تھیں' مگر اب معیار بدل گئے' توند والے مردوں کو ست و

کامل سمجھا جانے لگا اور موٹی عورتیں بدصورت ہو گئیں' اسی لئے عورتوں نے خود کو دبلا رکھنے کے لئے ورزش اور کم خوراکی شروع کر دی۔

شہروں کی آبادی بڑھنا شروع ہوئی تو اس کی وجہ سے معاشرے کے سماجی ادارے بدلنا شروع ہوئے' جب تک لوگ چھوٹے شہروں اور قصبوں میں رہتے تھے تو ان کی ایک پہچان تھی' مگر جب یہ شہر میں آئے تو یہاں فرد لوگوں کے ہجوم میں گم ہو کر اپنی پہچان کھو بیٹھا' بڑے شہروں میں نہ تو ہمسا گی کا قدیم تصور تھا اور نہ ہی محلّہ کا کہ جہاں ہمسایہ اور اہل محلہ ایک دوسرے سے واقف تھے۔ ایک دوسرے کے دکھ اور درد میں شریک ہوتے تھے۔ اب شہر کے نئے اپارٹمنٹ' کمپلکس اور نئی آبادیاں اس تصور سے خالی ہیں۔ ایک اونچی عمارتوں میں لوگ لفٹ کے ذریعہ اپنے فلور پر جاتے ہیں اور پھر خاموشی سے اپنے فلیٹ میں پناہ لے لیتے ہیں' اسی طرح پہلے ہر محلّہ میں گلیوں کی اپنی زندگی ہوتی تھی کہ جہاں بچے کھیلتے تھے اور لوگ گپ شپ لگایا کرتے تھے' اب ٹریفک کی اور فلیٹوں کی وجہ سے گلیوں کا یہ تصور ختم ہو گیا۔

ہر فرد اپنی نجی زندگی کے معاملات میں بہت زیادہ حساس ہو گیا وہ اس میں کسی کی شرکت یا دخل اندازی کو پسند نہیں کرتا۔

اسی وجہ سے معاشرے میں درجہ بندی اور اتھارٹی کے خلاف بغاوت کی گئی' اسکول' یونیورسٹی' آفس اور گھر سب جگہ پر فرد اپنے معاملات کا خود ذمہ دار ہے اور اپنے اوپر وہ کسی کے حکم کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔

وہ اپنی نجی زندگی کے رازوں کو اپنے تک محدود رکھتا ہے۔ ان کو کسی پر ظاہر نہیں کرتا' لوگوں کو اپنے بارے میں صرف وہ اطلاعات فراہم کرتا ہے کہ جن سے اس کی صلاحیت اور کامیابی ظاہر ہو' اپنی کمزوریوں پر وہ پردہ ڈالے رکھتا ہے۔ اس کا اندازہ "Whos Who کون کیا ہے؟" قسم کی کتابوں سے ہوتا ہے کہ جس میں ہر مشہور فرد صرف اپنی کامیابیوں کا اندراج کراتا ہے۔

لوگ نجی سوالوں کو پسند نہیں کرتے اور گفتگو کو صرف ان موضوعات تک محدود رکھتے ہیں کہ جس میں دونوں کی دلچسپی ہو' اس رجحان کی وجہ سے لوگوں کے تعلقات بڑے محدود ہو کر رہ گئے ہیں۔

پرانے معاشروں میں بوڑھے لوگوں کی عزت ہوتی تھی' اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ بوڑھے لوگوں کی تعداد کم ہوتی تھی' لوگ اکثر جلدی مر جاتے تھے' اس لئے جو باقی بچ جاتے تھے اور بوڑھے ہو جاتے تھے' ان کی قوت مزاحمت اور زندگی سے بھرپور مقابلہ کرنا ثابت ہتا تھا' اس وجہ سے لوگ ان کی عزت کرتے تھے' اس کے علاوہ بوڑھے لوگوں کے پاس زندگی کا تجربہ ہوتا تھا اور پرانی یادداشتیں ہوتی تھیں' صنعتی معاشرے میں آکر یہ دونوں باتیں ختم ہو گئیں' تجربہ اس لئے بے کار ہو گیا کہ مسلسل سائنسی اور ٹکنالوجی کی ایجادات کے بعد معاشرے میں تیزی سے تبدیلی آ رہی ہے اور اس میں بوڑھے لوگ اکثر جوانوں اور بچوں سے پیچھے رہ جاتے ہیں' ان کا اپنا تجربہ بے کار ہو جاتا ہے۔ نئی تبدیلیوں سے وہ واقف نہیں ہوتے' اس لئے انہیں خود کو حالات سے مقابلہ کرنے کے لئے باربار اپنی تربیت کرنا ہوتی ہے اور نئی چیزوں کے بارے میں سیکھنا پڑتا ہے' اب اکثر بچے جو اسکول میں سیکھتے ہیں' وہ آکر اپنے والدین کو سکھاتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ اب بوڑھے لوگوں کی تعداد بھی بہت ہو گئی ہے' اس لئے ان کا زیادہ عرصہ زندہ رہنا' ان کی جسمانی طاقت و قوت کے بجائے نئی دواؤں اور ماحول کی صفائی پر ہو گیا ہے' باقی ابھی تک سیاست کے میدان میں بوڑھے لوگوں کی جگہ ہے' کیونکہ اس میں لوگوں کا اب تک یہ خیال ہے کہ بوڑھے لوگ سیاست سے زیادہ واقف ہوتے ہیں' اس خیال کو ڈیگال' آڈے نائر اور متراں وغیرہ نے اور تقویت دی کہ جنہوں نے بوڑھاپے میں حکومت کو سنبھالا اور اپنے اپنے ملکوں کو سیاسی استحکام دیا۔

ایک خاص عمر پر پہنچ کر لوگ ملازمت سے ریٹائر ہو جاتے ہیں' ریٹائرمنٹ کا تصور میدان جنگ کا ہے کہ جس میں شکست کے بعد میدان سے راہ فرار اختیار کر لی جاتی ہے' اس لئے ریٹائرمنٹ سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ اب معاشرے کو اس شخص کی ضرورت نہیں رہی اور وہ اس کے لئے بے کار ہو گیا ہے' ریٹائرمنٹ کی اس روایت سے وہ عورتیں جو گھر میں کام کرتی ہیں' متاثر نہیں ہوتیں کیونکہ ان کا کام جاری رہتا ہے اور ان کی افادیت میں کوئی فرق نہیں آتا ہے' مگر جب کوئی کام کی جگہ کو ہی چھوڑ کر گھر آ جائے تو یہ اس کے لئے زبردست نفسیاتی دھچکہ ہوتا ہے' اسی لئے اب ریٹائر لوگوں نے وقت گذارنے کے لئے مشغلے ڈھونڈ لئے ہیں۔ وہ کسی نہ کسی ہوبی (Hobby) میں مشغول رہتے ہیں' تاکہ ان کی

افادیت قائم رہے۔

بیسویں صدی سے پہلے موت ایک سماجی اور خاندانی معاملہ ہوا کرتا تھا۔ لوگ گھروں پر' دوستوں' رشتہ داروں اور گھر والوں کی موجودگی میں اپنے بستر پر آخری سانس لیا کرتے تھے۔ اس منظر کو سب مل کر دیکھتے تھے' اس کے موت اور مرنے والے شخص دونوں کے بارے میں زندہ لوگوں میں ایک تعلق پیدا ہوتا تھا' موت کا ماتم کیا جاتا تھا اور تجہیز و تکفین کی رسومات بھی پوری طرح سے ادا کی جاتی تھیں' مگر اب یہ سارا منظر بدل گیا ہے' اب مریض ہسپتال میں مرنے کے لئے جاتا ہے' اگرچہ وہ آخر وقت تک یہ سمجھتا ہے کہ اس کا علاج ہو رہا ہے اور اسے موت سے بچایا جا رہا ہے' ڈاکٹر مریض کو موت کے بارے میں نہیں بتاتا' اگرچہ کچھ مریض اس کا اندازہ خود کر لیتے ہیں۔ اس لئے جب مریض ہسپتال میں مرتا ہے تو اس کے پاس ڈاکٹر اور نرسیں ہوتی ہیں' خاندان کے لوگ نہیں' اس نے موت کی سماجی حیثیت کو ختم کر دیا ہے' تجہیز و تکفین بھی رسمی ہوتی ہے' موجودہ زمانہ میں اس پر بھی بحث کی جا رہی ہے کہ جب مرض لا علاج ہو جائے تو کیا ایسی صورت میں مریض کو مزید تکلیف سے بچانے کے لئے اسے آرام سے مار کیوں نہ دیا جائے؟ اکثر ڈاکٹر ایسے مریضوں کو مار چکے ہیں یا خود رشتہ داروں نے مریضوں کی تکلیف دیکھ کر انہیں مار دیا' اس جرم میں اب تک کسی شخص کو سزا نہیں ملی ہے' برطانیہ میں ایک ایسے مریض کو جسے زہر دے کر مارا گیا' اس کی ایک ویڈیو فلم بھی تیار کی گئی ہے' اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ یہ ایک اخلاقی فرض بن جائے گا۔

ایک بحث اور بھی ہے کہ مردے کو دفن کرنا چاہئے یا جلانا چاہئے' دفن کے مخالفین کا کہنا ہے کہ اس طرح سے ماحولیات خراب ہوتی ہے۔ اور زمین گھرتی ہے' جب کہ اب آبادی کے ساتھ زندوں کے لئے جگہ درکار ہے' جب کہ اس کے مقابلہ میں جلانا زیادہ بہتر ہے' کیونکہ اس سے مردہ جسم سے آسانی سے چھٹکارا پا لیا جاتا ہے' مگر ان دلائل کے باوجود ابھی تک لوگ مردوں کو دفن کرنا چاہتے ہیں' کیونکہ قبر میں مردہ جسم زندوں سے اپنا تعلق رکھتا ہے۔ سو اس کی یادگار قبر کے ذریعہ سے باقی رہتی ہے۔

معاشرے میں معاشی و سماجی تبدیلیوں کی وجہ سے مذہبی خیالات میں بھی تبدیلی آئی' آخرت کا تصور جو اب تک غریبوں کے لئے سکون و مسرت کا باعث تھا' وہ دوسری جنگ

عظیم کے بعد ختم ہو گیا' کیونکہ جب اسی دنیا میں لوگوں کو زندگی کی سہولتیں میسر آ گئیں اور ان کی زندگی میں خوش حالی آ گئی تو انہیں آخرت کے عیش و عشرت میں دلچسپی نہیں رہی' کیتھولک فرقے کے لوگ جو اب تک گناہوں کا اعتراف کرتے تھے' یہ روایت بھی کمزور ہو گئی' کیونکہ روایتی گناہ اب گناہ نہیں رہے' بلکہ روزمرہ کی زندگی کا حصہ ہو گئے' اس لئے پروٹسٹنٹ اور کیتھولک چرچ اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ خود کو بدلتے ہوئے حالات کے مطابق ڈھالیں' مثلاً اب عورتوں کو چرچ کے اعلیٰ عہدے ملنے لگے ہیں' کیتھولک چرچ پر برابر دباؤ بڑھ رہا ہے کہ وہ برتھ کنٹرول کے بارے میں اپنی رائے بدلے' غریب ملکوں میں تھیولوجی آف لبرشن کے نام سے تحریک چلی ہے کہ جس نے چرچ کو انقلابی کردار ادا کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔

BIBLIOGRAPHY

1. Paul Veyne (Editor); A History of Private life, Vol. I. From Pagan Rome to Byzantine. (English Translation: Arthur Goldhammer) Harvard University Press 1987

2. Aries, Philippe and Duby, Georges (Editor) Vol. II. Revelation of Medieval World 1988.

3. Chartier, Roger (Editors) Vol. III. Passions of Renaissance, 1989.

4. Perrot, Michelle (Editor) Vol. VI. From the Fires of Revolution to the Great War. 1990

5. Pros, Antoine and Vincent, Gerad (Editors); Vol. V. Riddles of Identity in Modern Times. 1991.